فہرست

شذرات	نئے میدان جنگ کا انتخاب	منظور الحسن	۲
قرآنیات	آل عمران (۳: ۱۳۷-۱۴۳)	جاوید احمد غامدی	۵
معارف نبوی	ایک یہودیہ کے قتل کا واقعہ	معز امجد	۹
	حضرت عبادہ بن صامت کا اضطراب	طالب محسن	۱۱
	جامع الوقوت	ساجد حمید	۱۵
دین و دانش	اخلاقیات (۱۱)	جاوید احمد غامدی	۲۳
نقطۂ نظر	سریانی و ارامی زبان کے بارے میں وضاحت	عبدالستار غوری	۳۳
حالات و وقائع	عمر بن عبدالعزیز	محمد وسیم اختر مفتی	۳۷
اصلاح و دعوت	تعلق بالقرآن	محمد رفیع مفتی	۵۱
	قرآن اور انفاق	〃	۵۴
	دین میں ظاہرداری / جھوٹ کا اثر	طالب محسن	۵۷
	اختلاف اور علمی رویے	〃	۶۰
اشاریہ	ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۰۵ء	نعیم احمد	۶۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

منظور الحسن

نئے میدان جنگ کا انتخاب

گزشتہ دو صدیوں میں ہماری ہزیمت کی داستان بار بار دہرائی گئی ہے۔ میسور، پلاسی، بالاکوٹ، دہلی، افغانستان اور عراق کے جنگی میدانوں میں ہماری شکست اب تاریخ کا حصہ ہے۔ اس شکست کے اسباب و عواقب کے بارے میں ہمارے ارباب علم و دانش مختلف الخیال ہیں۔ بعض اسے اللہ کی آزمایش سے تعبیر کر کے عزیمت و استقامت کا درس دیتے ہیں۔ بعض قومی انتشار کا نتیجہ تصور کر کے اتحاد و یک جہتی کی تلقین کرتے ہیں اور بعض سپر پاور کی عسکری برتری کا مظہر قرار دے کر عسکری قوت کے حصول کا لائحۂ عمل تجویز کرتے ہیں۔ یہ سب تجزیے اور تجاویز درست ہو سکتی ہیں، مگر ایک حقیقت ان کے ماسوا بھی موجود ہے جس سے ہماری فکری اور سیاسی قیادت مسلسل صرف نظر کر رہی ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم نے جنگ کے لیے غلط میدان کا انتخاب کر رکھا ہے۔ ایک ایسا میدان جنگ جس میں ہم پے در پے شکست کھا رہے ہیں۔ یہ مادی قوت کا میدان ہے۔ اس قوت کا مظہر اگر دولت ہے تو ہمارے ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے، اگر علم و فن ہے تو ہمارا جہل مسلم ہے، اگر اسلحہ ہے تو ہم بے دست و پا ہیں اور اگر اقتدار ہے تو ہم محکوم محض ہیں۔ مادی قوت کے ان تمام مظاہر سے ہمارا وجود بالکل خالی ہے۔ اس حقیقت کے تلخ نتائج کا مسلسل شکار ہونے کے باوجود ہم مسلسل اسی میدان میں جان کی بازی لگا رہے ہیں۔ یہ عمل اگر سوچا سمجھا ہوتا تو سوچ کے زاویوں کو نیا رخ دے کر ہزیمت کی گردش سے نکلا جا سکتا تھا، مگر المیہ یہ ہے کہ یہ سرتاسر بے شعوری پر مبنی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ہم مادی قوت کے جس میدان میں برسر جنگ ہیں، اس میں فتح و کامرانی کے اسباب علوم و فنون، زراعت و معدنیات اور صنعت و تجارت ہیں۔ انھیں بعض اقوام نے جمع کر کے مادی قوت کے میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جذباتی نعروں، موہوم تمناؤں اور بے بنیاد دعووں کے ذریعے سے ہم یہ اجارہ داری ختم کر سکتے ہیں۔ ہماری بے شعوری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے افغانستان میں اپنی کمزوری کا ہر سطح پر مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی سرزمین عراق کو اسی میدان جنگ کا مرکز بننے دیا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بہر حال صداقت صرف اور صرف یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مادی قوت کا میدان ہماری ہزیمت کا میدان ہے۔ ہم اگر اسی کمزور حیثیت سے اس میدان میں برسر پیکار رہے تو خدانخواستہ بربادی کی عبرت انگیز داستانیں رقم ہوتی رہیں گی اور قانون الٰہی کے عین مطابق شکست ہی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔ اس میدان میں اگر ہم کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس میدان سے نکل کر مادی قوت کے وہ تمام اسباب و وسائل حاصل کریں جو کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان کے حصول کے لیے ایک طویل جدوجہد درکار ہے۔ آج اگر ہم اس جدوجہد کا آغاز کریں تو ممکن ہے کہ ایک مدت بعد انھیں حاصل کر لیں۔

تاہم، ایک میدان جنگ ایسا ہے جس میں فتح یابی کے اسباب و وسائل اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اس میں سرگرم عمل ہوں تو دنیا کی سب اقوام مل کر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس میدان میں ہماری فتح یقینی ہے۔ یہ مادی قوت کا نہیں، بلکہ فکری قوت کا میدان ہے۔ ہمارے پاس پروردگار عالم کی آخری ہدایت کی صورت میں لافانی فکری قوت موجود ہے۔ یہودیت ہو یا عیسائیت، بدھ مت ہو یا ہندومت، تمام مذاہب عالم پر اس کی فضیلت مسلم ہے۔ تصوف، لادینیت، اشتراکیت، سرمایہ داری اور دیگر سیاسی، معاشی اور عمرانی افکار میں سے کوئی فکر بھی اسے چیلنج کرنے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس میدان میں مغرب سقراط و فلاطون سے لے کر فرائڈ اور مارکس تک فلاسفہ کی تمام فکری قوت کو بھی مجتمع کر لے تب بھی اس کی رسائی محمد عربی کے افکار تک نہیں ہو سکتی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ مقدمہ اگر درست ہے تو پھر ہمیں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اب ہمیں اقوام عالم کی علاقائی سرحدوں کو نہیں، بلکہ نظریاتی سرحدوں کو ہدف بنانا ہے، ہمیں ان کے ملکوں پر نہیں، بلکہ ان کے افکار پر تاخت کرنی ہے اور ہمیں ان کے جسموں کو نہیں، بلکہ دل و دماغ کو تسخیر کرنا ہے۔ چنانچہ اس نئے میدان میں ہمیں تعلیم و تعلم، اصلاح و دعوت اور اخلاق و کردار کے زور پر دنیا کو یہ بتانا ہے کہ پیغمبر اسلام کی رسالت ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے۔ یہودیت اور نصرانیت جیسے الہامی ادیان کا اثبات بھی اس رسالت کے اثبات پر منحصر ہے۔ یہ واضح کرنا ہے کہ زمین پر اللہ کی ہدایت کا آخری اور حتمی منبع قرآن مجید ہے۔ اس کی حفاظت کے انتظام، اس کی شان کلام اور اس کے خالص عقلی و فطری مشمولات کی بنا پر اس کی حاکمیت دیگر الہامی صحائف اور افکار فلاسفہ پر ہر لحاظ سے قائم ہے۔ چنانچہ عقیدہ و ایمان اور فلسفہ و اخلاق کے تمام مباحث میں رہتی دنیا تک اسے میزان اور فرقان کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر نظریے اور ہر عمل کو اب اس کی ترازو میں تلنا اور اس کی کسوٹی پر پرکھا جانا ہے۔ اس میدان میں ہمیں یہ بھی تسلیم کرانا ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحیح خطوط پر قائم کرنے کا واحد راستہ اسلامی شریعت ہے۔ اس ضمن میں یہ ان مسئلوں کو بھی حل کرتی ہے، جنھیں انسانی عقل اپنی محدودیتوں کی وجہ سے حل نہیں کر سکتی۔ اس کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے جس میں حیا کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل ہو اور معاشرے کی اکائی خاندان کو اس قدر استحکام حاصل ہو کہ انسان بچپن اور بڑھاپے کی ناتواں زندگی بھی خوش و خرم گزار سکے۔ ایک ایسا نظم معیشت وجود میں آ سکتا

ہے جو لالچ، جھوٹ اور استحصال سے پاک ہو۔ ایک ایسی ریاست وجود میں آسکتی ہے جس کا نظام شہریوں کی فلاح کا ضامن اور عدل وانصاف کا عکاس ہو۔ اس کی برکت سے دنیا میں ایک ایسے ماحول کا وجود پزیر ہونا ممکن ہے جس میں انسان کا اصل ہدف دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہو۔ انسان اپنی دنیوی ذمہ داریاں مسابقت کے پورے جذبے کے ساتھ انجام دے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی نظر اخروی کامیابی پر ہو۔ اس بنا پر یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ شریعت کی روشنی جس خطۂ ارضی کو منور کر دے، اس میں دہشت، درندگی، ظلم اور اخلاق باختگی کے مظاہر شاذ ہو جاتے ہیں۔

فکری قوت کے اس میدان میں پیش قدمی کو حالات زمانہ نے بہت سازگار بنا دیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک افراد، اقوام اور حکمران جنگ کی نفسیات میں جیتے تھے۔ جس کے پاس مادی قوت ہو، اس کا یہ حق تسلیم شدہ تھا کہ وہ اگر چاہے تو اخلاقی جواز کے بغیر بھی کمزور کو تر نوالا بنا لے۔ چنگیز، ہلاکو، ہٹلر اور میسولینی جیسے حکمران قوموں کی تباہی کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ خوف و دہشت کو بین الاقوامی قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ فضا اب تبدیل ہوگئی ہے۔ دنیا کا اجتماعی ضمیر جنگ کی نفسیات سے نکل آیا ہے۔ جنگ سے نفرت اور امن سے محبت کا چلن ہے۔ انسان دوسرے انسانوں کے اور اقوام دوسری قوموں کے حق خود ارادی کو تسلیم کرنے لگی ہیں۔ خوف و دہشت کے مظاہر عظمت کے بجائے ذلت کی علامت قرار پا گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی قیادت کو اپنی ظالمانہ کارروائی کے لیے بھی دہشت گردی، کیمیائی ہتھیار اور آمریت جیسے مقدمات کا سہارا لینا پڑا ہے اور اس کے باوجود امریکہ سمیت پوری دنیا، بلا استثنائے قوم و مذہب سراپا احتجاج ہے۔ پھر میڈیا کی عظیم وسعت نے دنیا کے ہر شخص تک رسائی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس صورت حال میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اسلام کی دعوت کے لیے میدان بالکل صاف ہے اور یہ آج جس قدر موثر ہو سکتی ہے، گزشتہ زمانے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت ہمارے لیے واحد لائحۂ عمل یہ ہے کہ جب تک ہم مادی اعتبار سے ضروری قوت بہم نہیں پہنچا لیتے، اس وقت تک اپنی تمام تر توانائیاں فکری قوت کے میدان میں بروئے کار لائیں۔ یہی ہماری فتح یابی کا میدان ہے۔ ایک ایسا میدان جس میں شکست کا کوئی تصور نہیں ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۲۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ، فَسِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ، فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ، وَهُدًى، وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا
تَهِنُوۡا، وَلَا تَحۡزَنُوۡا، وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ
قَرۡحٌ، فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ، وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ، وَلِيَعۡلَمَ

(ایمان والو، آخری فتح تمھاری ہوگی)۔ اِس کی بہت سی مثالیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں۔ سو اپنی اس سرزمین ہی میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ یہ نہایت واضح تنبیہ ہے اُن لوگوں کے لیے (جو پیغمبر کو جھٹلا دینے پر مصر ہیں) اور ہدایت و نصیحت اُن کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ (اِس لیے مطمئن رہو) اور (اِس شکست سے) بے حوصلہ نہ ہو اور غم نہ کرو۔[۲۰۴] اگر تم مومن ہو تو غلبہ بالآخر تمھیں ہی حاصل ہوگا۔[۲۰۵] (اِس وقت) اگر تم کو چوٹ لگی ہے تو ایسی ہی چوٹ[۲۰۶] (اِس سے

[۲۰۴] اشارہ ہے اس شکست کی طرف جس سے احد کے موقع پر مسلمانوں کو اپنی ایک غلطی کی وجہ سے دوچار ہونا پڑا۔

[۲۰۵] یہ اس سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت رسولوں کے منکرین پر ان کی طرف سے اتمام حجت

الـلّٰـهُ الَّـذِيْـنَ اٰمَـنُوْا، وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَلِيُـمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

پہلے) دشمن[207] کو بھی لگ چکی ہے۔ اور دنوں[208] کا یہ الٹ پھیر تو ہم لوگوں کے اندر (اِس لیے) کرتے ہیں (کہ اُن کا امتحان کریں[209]) اور اِس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے اُن لوگوں کو چھانٹ لے جو (اپنی جان دے کر بھی) حق کی گواہی دینے والے ہوں[210] ___ (اِن مصالح کو سمجھنے کی کوشش کرو) اور (یاد رکھو کہ) اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا[211] ___ اور[212] اِس لیے (کرتے ہیں) کہ ایمان والوں کو اللہ الگ

کے بعد عذاب آجاتا اور ان کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ لازماً غلبہ عطا فرماتے ہیں۔ اس سنت کے مظاہر سرزمین عرب میں عاد وثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کے آثار کی صورت میں موجود تھے۔ قرآن نے یہاں انھی مظاہر کو سنن سے تعبیر فرمایا ہے۔

[۲۰۶] یعنی بدر کے موقع پر۔

[۲۰۷] اصل میں لفظ 'القوم' استعمال ہوا ہے۔ اہل عرب کے عرف میں یہ اس طرح کے موقعوں پر حریف اور دشمن کے لیے آتا ہے۔

[۲۰۸] اصل میں لفظ 'الایام' آیا ہے۔ یہ جب اس طریقے سے جمع کی صورت میں آئے تو اس سے مراد تاریخ کے وہ دن ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے حوادث اور واقعات پیش آئے ہوں۔

[۲۰۹] یہ 'ولیعلم اللّٰہ الذین اٰمنوا' کا معطوف علیہ ہے جو عربیت کے اسلوب پر اصل میں حذف ہو گیا ہے۔

[۲۱۰] اس سے معلوم ہوا کہ احد کے موقع پر جو افتاد پیش آئی، اس میں دوسری مصلحتوں کے ساتھ ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ جو لوگ راہ حق میں شہادت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کی یہ آرزو بھی اس موقع پر پوری ہو جائے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں شہادت کی طلب مسلمانوں کے اندر کتنی شدید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبے کی تسکین کے لیے یہ موقع فراہم کرنا ضروری سمجھا۔

[۲۱۱] یعنی اس شکست سے یہ خیال نہ کرو کہ اللہ اب ان منکروں ہی سے محبت کرنے لگا ہے، نہیں، وہ ان ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کے پیش نظر کچھ مصالح تھے جن کی وجہ سے اس نے مسلمانوں کی یہ ہزیمت گوارا کی ہے۔

[۲۱۲] جملۂ معترضہ کے بعد یہاں سے کلام پھر اوپر کے بیان سے مربوط ہو گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

الْجَنَّةَ، وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ، وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ، فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ، وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

کر لے اور اِن منکروں کو مٹا دے[۲۱۳] ـــــ کیا[۲۱۴] تم نے یہی سمجھا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، اور اللہ نے ابھی اُن لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تمھارے اندر سے جہاد کیا (اور جنھوں نے نہیں کیا) ـــــ اور اِس لیے (کرتے ہیں) کہ اللہ اُن کو بھی جان لے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں[۲۱۵]۔ (اب حوصلہ چھوڑ رہے ہو) اور موت کے (اِس طرح) سامنے آ جانے سے پہلے تم اُس کی تمنا کر رہے تھے۔ سو (تمھاری یہ تمنا پوری ہو گئی، اس لیے کہ) اب تو موت کو تم نے آنکھیں چار کر کے دیکھ لیا ہے[۲۱۶]۔ ۱۳۷۔۱۴۳

---

[۲۱۳] مطلب یہ ہے کہ منکروں کو مٹانا بھی اسی وقت ممکن تھا، جب وہ بالکل ممیّز ہو گئے ہوں، لہٰذا ضروری ہوا کہ لوگوں کو امتحان کی بھٹی سے گزارا جائے تاکہ ہر قسم کا کھوٹ ان کے اندر سے نکل کر علیحدہ ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کی شکست، درحقیقت انھی منکروں کو مٹانے کی ایک تدبیر تھی۔

[۲۱۴] یہ پھر ایک جملۂ معترضہ ہے جس سے مخاطبین کو ان کے اس خیال پر برسرموقع تنبیہ کی گئی ہے جو اوپر کی بات سے ان کے ذہن میں پیدا ہوا ہے کہ مومنین اور منکرین کو الگ الگ کرنے کے لیے ہمارے ایمان ہی کو کافی کیوں نہیں سمجھا گیا؟ اس کے لیے یہ کیوں ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس طرح کے امتحان سے گزارا جائے؟

[۲۱۵] اصل الفاظ ہیں: 'ویعلم الصّٰبرین'۔ اس کا عطف بھی، صاف واضح ہے کہ 'ولیعلم اللّٰہ الذین اٰمنوا' پر ہے اور اس کے اور 'یمحق الکافرین' کے درمیان کا جملہ جملۂ معترضہ ہے جو مخاطبین کے ایک خیال پر، جیسا کہ بیان ہوا، برسرموقع تنبیہ کے لیے آ گیا ہے۔

[۲۱۶] یہ مخاطبین کی طرف سے شوق جہاد کے اظہار اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے کے ان دعووں پر تعریض ہے جو وہ احد کے معرکے میں اترنے سے پہلے کر رہے تھے۔

[باقی]

معز امجد

ایک یہودیہ کے قتل کا واقعہ

رٰوی أن یہودیة کانت تشتم النبی و تقع فیه. فخنقها رجل حتی ماتت. فأبطل رسول اللّٰه دمها.

روایت[1] ہے کہ ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی اور آپ کے بارے میں اہانت آمیز باتیں کیا کرتی تھی۔ (انتقام کے طور پر) ایک آدمی نے اس کا گلا دبا دیا اور وہ مر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (یہودیہ) کے قتل پر اس آدمی کو سزا نہیں دی[2]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ترجمے کے حواشی

۱۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس روایت کی سند میں پہلے پانچ راوی اسے نقل کرنے میں بالکل منفرد ہیں۔ یعنی تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ہر نسل میں محض ایک آدمی ہی ہے جو اس واقعہ کو نقل کر رہا ہے، جبکہ واقعہ کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کی شہرت زیادہ لوگوں میں ہونی چاہیے تھی اور زیادہ لوگوں کو اسے روایت کرنا چاہیے تھا۔ مزید برآں روایت کی اس واحد سند کو بھی ناصر الدین البانی صاحب نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس روایت سے متعلق یہ حقائق اس کی صحت

سے متعلق شبہات پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں، تاہم ان حقائق کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو روایت کا متن بعض ایسے تحفظات کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے جن کی وضاحت آگے کی جا رہی ہے۔

۲۔ اگرچہ راویوں نے بیان نہیں کیا، تاہم یہ واضح ہے کہ اس طرح کے واقعات کی جس قدر ممکن ہو پہلے تحقیق کی جاتی ہے اور پھر کوئی فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ روایت میں اس بات کی بھی تصریح موجود نہیں ہے کہ قتل کرنے والے کو سزا کیوں نہیں دی گئی۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ قتل ایسی صورت حال میں کیا گیا کہ جس میں آدمی کے لیے اپنے انتہائی جذبات پر قابو پانا ممکن نہیں رہتا، چنانچہ فیصلہ سناتے وقت اس پہلو کا خیال رکھتے ہوئے نرمی برتی گئی یا یہ کہ یہودیہ کا یہ قتل خدا کی طرف سے نافذ کردہ سزا کے طور پر کیا گیا۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنے والے یہود و نصاریٰ کے لیے جو سزا قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے، اس کے مطابق انھیں مسلمانوں کے زیر دست بن کر رہنا تھا اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرتے تو انھیں خدا کے حکم کے مطابق موت کی سزا دی جاتی۔ اس یہودیہ کا سر عام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے زیر دست نہیں کیا تھا، چنانچہ وہ خدا کی طرف سے نافذ کردہ سزائے موت کی مستحق تھی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ یہ روایت بغیر کسی اختلاف کے درج ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

ابوداؤد، رقم ۴۳۶۲۔ بیہقی، رقم ۱۳۱۵۴، ۱۸۴۸۹۔

تخریج: محمد اسلم نجمی

کوکب شہزاد

ترجمہ و ترتیب: اظہار احمد

طالب محسن

حضرت عبادہ بن صامت کا اضطراب

(مسلم، رقم ۲۹)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن صنابحی عن عبادة بن الصامت أنه قال دخلت عليه وهو فی الموت. فبكيت. فقال: مهلا، لما تبكی، فواللّٰه لإن استشهدت لأشهدن لك. ولإن شفعت لأشفعن لك. ولإن استطعت لأنفعنك. ثم قال: ما من حديث سمعته من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لكم فيه خير إلا حدثتكموه إلا حديثا واحدا وسوف أحدثكموه اليوم، وقد أحيط بنفسی. سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: من شهد أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدا رسول اللّٰه حرم اللّٰه عليه النار.

''صنابحی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں ان کے ہاں گیا تو وہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ میں (انھیں دیکھ کر) رو پڑا۔ انھوں نے کہا: حوصلہ کرو، کیوں روتے ہو۔ اگر مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں تمھاری گواہی دوں گا۔ اگر مجھے سفارش کا موقع دیا گیا تو

میں تمھاری سفارش کروں گا۔ اور اگر میرے لیے ممکن ہوا تو میں تمھارا فائدہ کروں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی بات سنی ہے اور اس میں تم لوگوں کے لیے کوئی خیر تھا تو وہ تم لوگوں کو بتادی ہے۔ ایک بات کے سوا، وہ میں تمھیں آج بتاؤں گا، حالانکہ میری جان پہ بنی ہوئی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے برملا اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اس پر آگ حرام کر دی۔''

لغوی مباحث

وقد أحیط بنفسی: 'أحیط' کا لفظی مطلب ہے 'گھر جانا'۔ مسلم کے شارح نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے دشمن گھیر لیتے ہیں اور بچنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا تو اس موقع پر 'قد أحاطوا به' یا 'أطافوا به' کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں بھی اس اسلوب سے یہی بات بیان کرنا پیش نظر ہے کہ اب میری موت یقینی ہے۔

معنی

اس روایت کے پہلے حصے میں دور صحابہ کا ایک خوب صورت پہلو سامنے آتا ہے۔ ایک صحابی کے ساتھ اس سے دین سیکھنے والے کس طرح محبت کرتے تھے اور ایک استاد کی حیثیت سے حضرت عبادہ کی اپنے شاگرد کے ساتھ شفقت کیا تھی۔ روایت کے اس حصے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ صحابہ تمام روایات نقل نہیں کرتے تھے، وہی بات بیان کرتے تھے جس میں وہ اپنے متعلقین کی بھلائی دیکھتے تھے یا ان کی رہنمائی اور تربیت کے لیے ضروری خیال کرتے تھے۔ زیر مطالعہ متن بظاہر یہ معنی رکھتا ہے کہ محض ایمان نجات کا باعث ہوگا۔ انھوں نے یہ بات اس وقت تک بیان نہیں کی جب تک وہ مطمئن نہیں ہو گئے کہ اس سے یہ معنی نہیں لیے جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی قبولیت یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لینا ایک نئی زندگی کو اختیار کرنا ہے۔ ہم نسلی مسلمان جب شعوری کوشش سے اپنے ایمان و عمل کی اصلاح کرتے ہیں تو اس کا کچھ تجربہ کرتے ہیں۔ لیکن ایک غیر مسلم کے لیے یہ تجربہ زیادہ ہمہ گیر ہوتا ہے۔ یہاں اس روایت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں یہی ایمان زیر بحث ہے۔ وہ ایمان یہاں مراد نہیں جو مسلمانوں کے ہاں پیدا ہونے کے نتیجے میں ہمیں حاصل تو ہوتا ہے، لیکن اس کے ہماری زندگی پر کوئی آ ثار نہیں ہوتے۔ یہ درست ہے کہ وہ آدمی جس نے ایمان کی نعمت پا لی۔ اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس سے کوئی کمی کوتاہی ہوئی یا گناہوں کا ارتکاب ہوا تو اللہ تعالیٰ کے عفو ودرگزر سے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید میں بیان کیے گئے معیار پر پورا اترے۔ مطلب یہ کہ اس نے شرک نہ کیا ہو۔ اس نے خدا کے ان احکام کی خلاف ورزی نہ کی ہو جن کی خلاف ورزی پر ابدی جہنم ہے۔ وہ غلطی اور گناہ پر توبہ واصلاح کی سعی کرتا رہا ہو یعنی وہ ایک سرکش آدمی نہ رہا ہو وغیرہ۔ دوسری روایات، قرآن مجید اور خود صحابہ کا اس طرح کی روایات کا فہم، سب سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور کے اس طرح کے ارشادات سے محض کلمۂ حق کا زبان سے کہہ دینا مراد نہیں ہے۔

متون

اس روایت کے دو حصے ہیں۔ آخری حصہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مبنی ہے اور پہلا حصہ اس وضاحت سے متعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کس موقع پر بیان کیا۔ یہ پہلا حصہ دو طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ ایک میں واقعہ بیان کرنے والے حضرت صنابحی رحمہ اللہ ہیں۔ جن محدثین نے یہ روایت لی ہے، ان میں سے اکثر نے اسی متن کو اختیار کیا ہے۔ دوسرے میں بیان کرنے والے ابن محیریز ہیں۔ یہ متن مسند الشامیین میں ہے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن ابن محيريز قال: حدثنا عبادة بن الصامت. فأقبل أبو عبد الله الصنابحي. فلما رآه مقبلا، قال: من أحب أن ينظر إلى رجل عرج به إلى السماء . فنظر إلى أهل الجنة و أهل النار. فرجع و هو يعمل على ما رأى فلينظر إلى هذا. ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم أن يقول حرمت النار على من شهد أن لا إله إلا الله و أني	''ابن محیریز بیان کرتے ہیں کہ عبادہ بن صامت ہم سے بات کر رہے تھے کہ ابوعبداللہ صنابحی آ گئے۔ حضرت عبادہ نے کہا جو ایک ایسے آدمی کو دیکھنا پسند کرے جسے آسمان پر اٹھایا گیا اور اس نے وہاں اہل جہنم اور اہل جنت دیکھے اور پھر واپس آ گیا اور اب وہ اس کو مطابق عمل کر رہا ہے جو اس نے دیکھا تو وہ ان کی طرف دیکھ لے۔ پھر انھوں نے بتایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس شخص پر آگ حرام کر دی گئی ہے، جس نے برملا اقرار کیا کہ

رسول اللّٰہ. (رقم ۲۱۷۸) اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔‘‘

پہلے طریق کے متن میں کچھ فرق ہیں، مثلاً، زیر بحث روایت میں ’دخلت علیه وهو فی الموت‘ آغاز کا جملہ ہے، جبکہ احمد اور ابن حبان وغیرہ میں ’دخلت علی عبادہ بن الصامت وهو فی الموت‘ سے روایت شروع ہوئی ہے اور عبد بن حمید کی مسند میں الفاظ ابن محیریز کے ہیں۔ کہتے ہیں: ’کنا جلوسا عند عبادہ بن الصامت إذ جاء ه الصنابحی فبکی‘۔ ایک روایت میں ’مهلا‘ کے بجائے ’مه‘ آیا ہے اور ایک دوسری روایت میں یہ دونوں لفظ ہی نہیں ہیں اور ’لم تبکی‘ کی جگہ ’ما یبکیك‘ استعمال ہوا ہے۔ زیر مطالعہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عبادہ نے کہا کہ میں ہر وہ حدیث بیان کرتا رہا ہوں جس میں لوگوں کے لیے کوئی خیر رہا ہے۔ ایک روایت میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ’وما کتمتکم حدیثا سمعته من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الا حدیثا واحدا‘۔ یعنی ایک روایت کے سوا میں نے تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ بعض روایات میں ’وقد أحیط بنفسی‘ کی جگہ ’وقد أحیط بی‘ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ آگ کے حرام ہونے کی بات مختلف اسالیب میں روایت ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ’حرم اللّٰہ علیه النار‘، ایک روایت میں ’حرم علی النار‘ اور ایک روایت میں ’حرمه اللّٰہ علی النار‘ کے الفاظ آئے ہیں۔

یہ تفصیل تو اس روایت کے متون سے متعلق ہے۔ لیکن اس مضمون کی حامل روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کئی مواقع پر اور مختلف صحابہ سے کہی تھی۔

کتابیات

مسلم، رقم ۲۹۔ ترمذی، رقم ۲۶۳۸۔ احمد، رقم ۲۲۷۶۳۔ ابن حبان، رقم ۲۰۲۔ مسند الشامیین، رقم ۱۹۹۔ عبد بن حمید، رقم ۱۸۶۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

جامع الوقوت

اوقات کے عام مسائل

[۲۱] حدثنی یحییٰ عن مالک عن نافع عن عبد اللّٰه بن عمر : ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اَلَّذِیْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصَرِ کَأَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهُ وَمَالُهُ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی عصر چھوٹ گئی، تو گویا اس سے اس کے اہل وعیال اور مال ودولت چھین لیے گئے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شرح

مفہوم ومدعا

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز عصر کا ضائع ہونا ایک مسلمان کے لیے ایسا ہے گویا کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہو اور اس کے بیوی بچے بھی اس سے چھین لیے گئے ہوں۔ یہ نماز کے چھوٹ جانے پر ہونے والے زیاں کا بیان ہے۔

نماز عصر کی اہمیت بعض اور پہلووں سے بھی بیان ہوسکتی ہے، لیکن آپ نے اسے مال ودولت اور اہل وعیال کے

ساتھ خاص کیا ہے۔اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ جس چیز کی محبت آدمی کو زیادہ ہوتی ہے، وہ اس کا مال اور آل اولاد ہی ہے۔اسی وجہ سے اس نقصان کو سامنے رکھا گیا ہے، تاکہ بات سمجھنے میں آسان اور ترغیب میں موثر ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی معاشرت میں بازار سر شام بند ہو جاتے تھے۔لوگ بالعموم مغرب کے وقت اپنے گھروں میں ہوتے تھے۔اس لیے عصر اور اس کے بعد کا وقت بازار کے خاتمہ کے قریب ہونے کی وجہ سے مصروفیت کا وقت بن جاتا تھا۔اس میں دکان سے اٹھ کر نماز کے لیے جانا گاہکوں سے محروم ہونے کے مترادف تھا۔شاید اس پہلو سے آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جو اس مال کے لیے اور بچوں کے لیے کمانے کی وجہ سے عصر چھوڑ کر بیٹھا رہے گا، اس کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ اس کی عصر کیا چھوٹی ہے، سب کچھ ہی لٹ گیا ہے۔

اس مضمون کی تین تعبیریں ممکن ہیں ایک یہ کہ عصر کی نماز جیسا کہ ہم نے ذکر کیا چونکہ مصروفیت میں آتی تھی، اس وجہ سے یہ صلوٰۃ وسطیٰ کہلائی اور اسی وجہ سے اس کی اہمیت بڑھ گئی۔ یہ اہمیت سلبی پہلو سے ہے۔یعنی اس پہلو سے کہ آدمی کی نماز ضائع نہ ہو جائے۔اس لیے کہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے:

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ. ''نمازوں کی حفاظت کرو، اور نماز وسطیٰ کی، اور اللہ کے حضور میں فرماں برداری سے کھڑے رہو۔''

(البقرہ ۲: ۲۳۸)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یعنی جس طرح کے وقت میں یہ نماز آتی ہے، اس میں اس کے چھوٹ جانے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔اس لیے اس نماز کے بارے میں زیادہ ہشیار اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔یہی معاملہ ہر اس نماز کا ہے، جو مصروفیات یا اہم مشاغل کے درمیان میں آجائے۔

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کو بیان کیا ہے۔اس صورت میں یہ روایت سزا یا گناہ کی مقدار کا تعین نہیں کرے گی، بلکہ یہ محض جرم کی سنگینی کا بیان ہوگا۔یعنی ایک آدمی جو اپنی عصر ضائع کر بیٹھا، اس نے گویا اپنا سب کچھ ضائع کر دیا۔اس میں متکلم کا منشا محض احساس شدت کو پیدا کرنا ٹھہرے گا نہ کہ مقدار سزا کا تعین۔ اس لیے کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ آدمی ہر نماز پڑھتا ہو، اور اس کی صرف ایک عصر چھٹ جائے تو اسے سب کچھ سے محروم کر دیا جائے۔البتہ یہ بات ہوسکتی تھی کہ کسی نے زندگی بھر عصر چھوڑی ہو تو تب یہ سزا ہوسکتی تھی۔لیکن اس صورت میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک نمازی مسلمان کی عصر کی نماز سے کوئی دشمنی ہو اور ہمیشہ عصر ہی کو چھوڑ دیتا ہو۔

دوسرے یہ کہ آپ نے یہ بات کسی خاص پس منظر میں فرمائی ہو: مثلاً اس شخص کے بارے میں جو ساری نمازیں منافقت سے پڑھتا رہے، اور عصر کے وقت دکان داری کے نقصان کے پیش نظر اس کی منافقت اسے عصر ضائع کرنے پر مجبور کر دیتی ہو، تو ایسے شخص کے بارے میں بلاشبہ یہ وعید ہو سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی وجہ سے کسی کی عصر چھوٹ گئی ہو اور اس نے آپ سے سوال کیا ہو تو آپ نے بات کو عصر کے پہلو ہی سے بیان کر دیا ہو۔ لیکن یہ وعید اصلاً تارک نماز کی ہو نہ کہ تارک عصر کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے ''التمہید'' میں یہ رائے اختیار کی ہے:

و قد يحتمل أن يكون هذا الحديث خرج على جواب السائل عمن تفوته صلاة العصر، فلا يكون غيرها بخلاف حكمها في ذلك. و يحتمل أن يكون خصت بالذكر، لأن الاثم في تضييعها أعظم. والتاويل الاول أولى. (۱۲۲:۱۴)

''اس بات کا پورا امکان ہے کہ عصر کے بارے میں یہ بات کسی سائل کے جواب میں کہی گئی ہو، جس نے عصر ضائع کر بیٹھنے والے کے بارے میں سوال کیا ہو۔ اس صورت میں باقی نمازیں اس حکم سے نہیں نکلیں گی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ خاص عصر ہی کا ذکر کیا گیا ہو کہ اس کے ضائع کرنے کا گناہ سب سے زیادہ ہو۔ لیکن پہلی تاویل ہی زیادہ بہتر ہے۔''

شارحین و فقہا کے ہاں نماز کے ضائع ہونے کے معنی میں اختلاف ہے اور ضائع کرنے کی کیفیت میں بھی۔ مختلف فقہا اور شارحین نے ضائع ہونے کا مطلب افضل وقت کا نکل جانا، جماعت کا فوت ہو جانا، یا قضا ہو جانا لیا ہے۔ اسی طرح یہ اختلاف بھی ہے کہ ضائع کرنے والے نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی یا غلطی سے نکل گئی۔

ان باتوں کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس متن میں قرائن موجود نہیں ہیں۔ البتہ دوسرے طرق سے کچھ چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جن کو ہم دیگر طرق کے تحت دیکھیں گے۔ یہاں اتنی بات جان لینی چاہیے کہ زیادہ تر طرق سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس سے مراد نماز کا قضا ہونا ہی ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں عمداً نماز ترک کرنا ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔ اس لیے کہ بھول چوک سے نماز رہ جانے میں کوئی سزا نہیں ہے، (البقرہ ۲:۲۸۶) بشرطیکہ آدمی یاد آتے ہی نماز ادا کر لے۔

لغوی مسائل

یہ روایت تشبیہ کے اسلوب میں ہے، اس کے معنی وعید کے بھی ہو سکتے ہیں، اور محض جرم کی سنگینی کا احساس دلانے

کے بھی۔ ہمارے خیال میں شعور و احساس کو بیدار کرنے ہی کے لیے یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

اگرچہ عام طور سے یہ تاویل کی گئی ہے کہ 'وتر اهله و ماله'، میں 'وتر' کا نائب فاعل وہ شخص ہے، جس کی نماز جاتی رہی۔ 'اهله و ماله' مفعول ثانی ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ 'وتر' کا فعل دو مفعول بھی لے لیتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے: 'ولن یَتِرَکم اعملکم' (محمد ۴۷: ۳۵) اور وہ تمھارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس کی نحوی تحلیل مختلف کتابوں میں نقل ہوئی ہے، جیسے مسلم کی شرح نووی میں ہے یا زرقانی نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے (۱: ۲۹)۔ انھوں نے 'اهله' اور 'ماله' کو مرفوع لیا ہے۔ جس کا مقدر انھوں نے یوں کھولا ہے: 'نُزِع اهلُه و مالُه منه'، یعنی اس سے اس کا مال و اولاد چھین لیے گئے۔ اس لیے ہم نے اوپر متن حدیث کے اعراب امام مالک ہی کی ترجیح پر لگائے ہیں۔ البتہ جمہور کی رائے اس میں بہتر اور واضح ہے۔ لیکن معنی میں دونوں سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔

'وتَر رجلا' کے معنی ہوں گے، اس نے آدمی کو اکیلا و تنہا کر دیا۔ اس کے بہت سے معنی بتائے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں نماز کے چھوٹ جانے سے آدمی نماز سے محروم رہا ہے، اس لیے محرومی کی نوعیت کی بات ہی آگے بیان ہونی چاہیے۔ یعنی عصر چھوٹنا اتنا بڑا نقصان ہے، جتنا آدمی کا سب کچھ چھن جائے اور وہ اکیلا اور کنگال ہو کر رہ جائے۔

عصر کے نقصان کو مال و اولاد کے چھننے کے برابر قرار دینا تلازمہ کے طور پر ہوا ہے۔ یعنی جس مال و اولاد کے لیے وہ دکان پر بیٹھا تھا، اسی کی رعایت سے یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ موازنہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ عصر کا یہ چھوٹ جانا مادی منفعت ہی کی وجہ سے ہوا تھا، اس لیے اسی نقصان کو ایک طرح سے معنوی مجانست کے اصول پر بیان کیا گیا ہے۔

درایت

قرآن و سنت سے تعلق

قرآن مجید میں بیان صلوٰۃ وسطیٰ کا ایک اطلاق نماز عصر پر کیا گیا ہے۔ اس روایت میں اسی نماز کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

قرآن مجید سے دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل وعیال سے محروم ہوں گے۔ جبکہ اصحاب جنت اپنے اہل خانہ کے پاس شاداں وفرحاں جائیں گے اور اپنا نامۂ اعمال انھیں بصد مسرت دکھائیں گے (الحاقہ ۶۹:۱۹)۔ لیکن یہ واضح ہے کہ محض ایک عصر چھٹ جانے سے یہ سزا ملنے والی نہیں، بلکہ یہ اس منافقانہ نماز کی سزا ہوسکتی ہے، جس کے ساتھ انسان کی پوری زندگی گزری ہو۔

دیگر متون

عن بريدة قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :من ترك صلاة العصر فقد حبط عمله. (بخاری، رقم ۵۲۸)

''حضرت بریدہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً عصر کی نماز ترک کی، اس کے عمل ضائع گئے۔''

عن بن عمر قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول : من ترك العصر متعمدا حتى تغرب الشمس فكانما وتر اهله وماله. (مسند احمد، رقم ۴۸۰۵)

''ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس نے عصر کی نماز کو جان بوجھ کر چھوڑے رکھا حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا، تو اس کا ایسا نقصان ہوا جیسا کہ اس کے اہل وعیال اور مال و منال کو اس سے چھین لیا گیا ہو۔''

أن نوفل بن معاوية قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من الصلوٰت صلاة، من فاتته فكانما وتر اهله وماله قال بن عمر سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول هى صلاة العصر. (نسائی، رقم ۴۷۹)

''نوفل بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نمازوں میں سے ایک نماز ہے کہ جس نے اسے ضائع کر دیا، تو یوں سمجھو اس نے اپنے مال اور اہل وعیال کو کھو دیا۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ بھی فرماتے سنا کہ یہ نماز، نماز عصر ہے۔''

ان تمام متون میں یہ بات واضح ہے کہ زیر بحث روایت میں نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنا پیش نظر ہے اور یہ کہ اس میں نماز ضائع ہونے سے نماز قضا ہونا مراد ہے۔

ایک روایت اس مضمون کی ہے جس میں نماز عصر کو فجر کی طرح مشہود قرار دیا گیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عن ابی هريرة أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار، ويجتمعون فی صلاة الفجر، وصلاة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم، وهو أعلم بهم، كيف تركتم عبادی؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون واتيناهم وهم يصلون.

(بخاری، رقم ۵۳۰)

''ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے باری باری صبح اور شام کے وقت تمھارے بیچ میں اترتے ہیں۔اور ان دونوں وقتوں میں اترنے والے فرشتے فجر اور عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو رات تمھارے بیچ میں رہے تھے، وہ اللہ کی طرف صعود کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ جاننے کے باوجود ان سے پوچھتے ہیں: میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ بولیں گے جب ہم نے انھیں چھوڑا تو وہ نماز میں تھے، اور جب ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی وہ نماز میں تھے۔''

احادیث باب پر نظر

اس روایت کے الفاظ سے بظاہر عصر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔عصر کی اہمیت احادیث میں دو پہلوؤں سے بیان ہوئی ہے۔ایک یہ کہ اسے 'صلوٰۃ وسطیٰ' قرار دیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اوپر بیان کردہ احادیث میں اس کے تارک کو دو طرح کی وعید سنائی گئی ہے: ایک حبط اعمال کی اور دوسرے سب کچھ لٹ جانے جیسے نقصان کی۔

'صلوٰۃ وسطیٰ' کے موضوع کے تحت ہم ان شاءاللہ موطا کے باب' الصلوٰۃ الوسطی 'ہی میں بحث کریں گے۔البتہ دوسری اہمیت جو یہاں بتائی گئی ہے، اسے صرف عصر کی اہمیت قرار نہیں دینا چاہیے، وہ اصلاً جانتے بوجھتے نماز چھوڑنے پر وعید ہے، عصر یہاں ایک خاص محل میں مذکور ہے۔یہ بات احساس زیاں کی بیداری کے لیے ہے کہ عصر کا چھوٹ جانا ایک نہایت نقصان دہ عمل ہے۔

روایت

یہ روایت موطا کے ساتھ ساتھ مسلم، بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتب میں بھی آئی ہے۔بخاری نے یہی روایت امام مالک کے حوالے سے ہی اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' میں رقم ۵۲۷ کے تحت درج کی ہے۔امام مالک سے آگے اس کی سند بھی یہی ہے۔یعنی: 'مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما'۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ روایت اسی طرح کی تبدیلیوں سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے جس طرح کی تبدیلیاں پیچھے 'متلفات بمروطهن' (رقم ۴) والی روایت میں ہم نے دیکھیں کہ کس طرح 'مھاجرات، نساء النبی' اور 'نساء المؤمنین' کے الفاظ نے ایک دوسرے کی جگہ لے کر بات کو ایک پہلو سے کس قدر الجھا دیا تھا۔ٹھیک ایسا ہی معاملہ اس روایت میں ہوا ہے کہ ایک خاص محل کی روایت تھی جسے راویوں نے بالمعنٰی روایت کرتے ہوئے ایک عمومی اصول کی صورت دے دی ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

اخلاقیات

(۱۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

(گزشتہ سے پیوستہ)

ذکر کثیر

دسویں چیز ذکر کثیر ہے۔ یعنی اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا جائے۔ بندۂ مومن کے دل میں جب اپنے پروردگار کا خیال پوری طرح بس جاتا ہے تو پھر وہ مقررہ اوقات میں کوئی عبادت کر لینے ہی کو کافی نہیں سمجھتا، بلکہ ہمہ وقت اپنی زبان کو خدا کے ذکر سے تر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھتا ہے تو 'سبحان اللّٰه' کہتا ہے۔ کسی کام کی ابتدا کرتا ہے تو 'بسم اللّٰه' سے کرتا ہے۔ کوئی نعمت پاتا ہے تو 'الحمد للّٰه' کہہ کر خدا کا شکر بجالاتا ہے۔ 'ان شاء اللّٰه' اور 'ما شاء اللّٰه' کے بغیر اپنے کسی ارادے اور کسی عزم کا اظہار نہیں کرتا۔ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد چاہتا ہے۔ ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلب گار رہتا ہے۔ ہر مشکل میں اس سے رجوع کرتا ہے۔ سوتا ہے تو اس کو یاد کر کے سوتا ہے اور اٹھتا ہے تو اس کا نام لیتے ہوئے اٹھتا ہے۔ غرض ہر موقع پر اور ہر معاملے میں اس کی زبان پر اللہ ہی کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر یہی نہیں، وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، روزہ رکھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، انفاق کرتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، برائی سے بچتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے، اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے اور فوراً اس سے رجوع کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ اس ذکر کی ایک صورت

فکر بھی ہے۔ خدا کی اس دنیا کو دیکھیے تو اس میں ہزاروں مخلوقات ہیں، ان کی رنگا رنگی اور بوقلمونی ہے، پھر عقل انسانی اور اس کے کرشمے ہیں، سمندروں کا تلاطم ہے، دریاؤں کی روانی ہے، لہلہاتا سبزہ اور آسمان سے برستا ہوا پانی ہے، لیل و نہار کی گردش ہے، ہوا اور بادلوں کے تصرفات ہیں، زمین و آسمان کی خلقت اور ان کی حیرت انگیز ساخت ہے، ان کی نفع رسانی اور فیض بخشی ہے، ان کی مقصدیت اور حکمت ہے، پھر انفس و آفاق میں خدا کی وہ نشانیاں ہیں جو ہر آن نئی شان سے نمودار ہوتی ہیں۔ بندۂ مومن ان آیات الٰہی پر غور کرتا ہے تو اس کے دل و دماغ کو یہ خدا کی یاد سے بھر دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ پکار اٹھتا ہے کہ پروردگار، یہ کارخانہ تو نے عبث نہیں بنایا۔ تیری شان علم و حکمت کے منافی ہے کہ تو کوئی بے مقصد کام کرے۔ میں جانتا ہوں کہ اس جہان رنگ و بو کا خاتمہ لازماً ایک روز جزا پر ہو گا جس میں وہ لوگ عذاب اور رسوائی سے دوچار ہوں گے جو تیری اس دنیا کو کسی کھلنڈرے کا کھیل سمجھ کر اس میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے انجام سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ، الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا، وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ، وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا، سُبْحٰنَکَ، فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (آل عمران ۳: ۱۹۰۔۱۹۱)

''زمین و آسمان کی خلقت میں اور شب و روز کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اُن کے لیے جو اٹھتے، بیٹھتے اور پہلووں پر لیٹے ہوئے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی خلقت پر غور کرتے رہتے ہیں۔ (ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) پروردگار، تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو اس سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس طرح کی کتنی ہی دعائیں اور اذکار ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہیں۔ خدا کو یاد کرنے کی بہترین صورت نماز کے بعد یہی ہے۔ ہم مسلمانوں کی خوش بختی ہے کہ کم و بیش آپ ہی کے الفاظ میں یہ دعائیں اور اذکار ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان کا حسن، لطافت اور معنویت زبان و بیان کا معجزہ ہے۔ بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کے لیے ان سے بہتر کوئی چیز شاید ہی میسر ہو سکے۔ ذکر و فکر کا ذوق ہو تو ان کو بھی حرز جاں بنا لینا چاہیے۔

ان میں سے چند منتخب دعائیں اور اذکار درج ذیل ہیں:

۱۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ.[۸۳]

۸۳؎ مسلم، رقم ۲۶۹۵۔

’’اللہ پاک ہے، شکر اللہ ہی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ ذکر مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

۲۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔[۸۴]

’’اللہ پاک ہے اور ستودہ صفات بھی۔‘‘

ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے دن میں سو مرتبہ یہ ذکر کیا، اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ دریا کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔[۸۵]

۳۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔[۸۶]

’’اللہ پاک ہے اور ستودہ صفات بھی، اللہ پاک ہے عظمت والا۔‘‘

فرمایا ہے کہ یہ دو کلمات ہیں جو زبان پر ہلکے، میزان میں بھاری اور اللہ کو بہت محبوب ہیں۔

۴۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[۸۷]

’’اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؛ وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں؛ بادشاہی اُس کی ہے اور حمد بھی اسی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔‘‘

فرمایا ہے جو شخص یہ ذکر دن میں سو مرتبہ کرے، اس کے لیے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر اجر ہے، اس کے علاوہ سو نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں اور سو گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں[۸۸] اور شام تک وہ شیطان سے پناہ میں ہوتا ہے۔

۵۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔[۸۹]

۸۴۔ بخاری، رقم ۶۴۰۵۔ مسلم، رقم ۲۶۹۱۔

۸۵۔ یعنی وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق نہیں ہیں یا جن کے لیے توبہ اور تلافی کرنا یا کفارہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۸۶۔ بخاری، رقم ۶۶۸۲۔ مسلم، رقم ۲۶۹۴۔

۸۷۔ بخاری، رقم ۳۲۹۳۔

۸۸۔ اس سے بھی وہی گناہ مراد ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

۸۹۔ بخاری، رقم ۴۲۰۵۔ مسلم، رقم ۲۷۰۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

”ہمت اور قدرت، سب اللہ ہی کی عنایت سے ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ کلمہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۶۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ، وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ، وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ، فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔[90]

”اے اللہ، تو میرا پروردگار ہے؛ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں؛ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں؛ میں اپنے اعمال کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں؛ اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں؛ تو مجھے بخش دے، اس لیے کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔“

فرمایا ہے کہ اگر کوئی یقین کے ساتھ یہ دن میں کہے اور اسی دن شام سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کے لیے جنت ہے اور رات میں کہے اور صبح سے پہلے رخصت ہو جائے تو اس کے لیے بھی جنت ہے۔

۷۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا، وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔[91]

”شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم کو موت کے بعد پھر زندگی عطا فرمائی اور ایک دن لوٹنا بھی اسی کی طرف ہے۔“

۸۔ اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْكُ لِلّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَا اللّٰهُ، وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِهِ اللَّیْلَةِ، وَخَیْرِ مَا فِیْھَا، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّھَا، وَشَرِّ مَا فِیْھَا. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْھَرَمِ، وَسُوْءِ الْكِبَرِ، وَفِتْنَةِ الدُّنْیَا، وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔[92]

”ہم نے شام کی اور خدا کی بادشاہی بھی شام میں داخل ہو گئی ہے۔ شکر اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؛ وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں؛ بادشاہی اس کی ہے اور حمد بھی اُسی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت

---

۹۰ بخاری، رقم ۶۳۰۶۔

۹۱ بخاری، رقم ۶۳۱۲۔ مسلم، رقم ۲۷۱۱۔

۹۲ مسلم، رقم ۲۷۲۳۔

رکھتا ہے۔ اے اللہ، میں اِس رات کی بھلائی چاہتا ہوں اور اُس کی بھی جو اِس میں ہے؛ اور رات کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اُس سے بھی جو اِس میں ہے۔ اے اللہ، میں سستی سے، بڑھاپے سے، بڑھاپے کی برائی سے، دنیا کی آزمایش سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

یہی دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ کی مناسب تبدیلی کے ساتھ صبح کے وقت بھی کرتے تھے۔

۹۔ اَللّٰھُمَّ، اِنِّی اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ، وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ، رَغْبَةً وَّرَھْبَةً اِلَیْکَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، اَللّٰھُمَّ، آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ، وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔[۹۳]

''اے اللہ، میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دیا ہے اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے اور تجھ سے ٹیک لگا لی ہے، تیری عظمت سے لرزتے ہوئے اور تیرے اشتیاق میں بڑھتے ہوئے۔ تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور کہیں ٹھکانا نہیں، اور اگر ہے تو تیرے ہی پاس ہے۔ پروردگار میں تیری کتاب پر ایمان لایا ہوں جو تو نے نازل کی ہے اور تیرے نبی پر ایمان لایا ہوں جسے تو نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے رات کو سوتے وقت یہ دعا کی اور اسی رات دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کی موت اسلام پر ہو گی۔

۱۰۔ اَللّٰھُمَّ، رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی، مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْآنِ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ، اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهٖ؛ اَنْتَ الْاَوَّلُ، فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ؛ وَاَنْتَ الْآخِرُ، فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ؛ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ، فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ؛ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ، فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ؛ اِقْضِ عَنِّی الدَّیْنَ وَاغْنِنِیْ مِنَ الْفَقْرِ۔[۹۴]

''اے اللہ، زمین و آسمان کے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار؛ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے، تورات و انجیل اور قرآن کے نازل کرنے والے؛ شر کی اُن سب چیزوں کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جن کی پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے؛ تو اول ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں؛ تو ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے، تیرے نیچے کوئی چیز نہیں۔ تو میرے قرض ادا فرما اور میری محتاجی کو دور کر کے مجھے غنی

---

۹۳ بخاری، رقم ۶۳۴۷۔ مسلم، رقم ۲۷۱۰۔

۹۴ ابوداؤد، رقم ۵۰۵۱۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کر دے۔‘‘

۱۱۔سُبۡحَانَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا، وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ، وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ . اَللّٰھُمَّ، اِنَّا نَسۡأَلُکَ فِیۡ سَفَرِنَا ھٰذَا الۡبِرَّ وَالتَّقۡوٰی، وَمِنَ الۡعَمَلِ مَا تَرۡضٰی. اَللّٰھُمَّ، ھَوِّنۡ عَلَیۡنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطۡوِ عَنَّا بُعۡدَہٗ. اَللّٰھُمَّ، اَنۡتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالۡخَلِیۡفَۃُ فِی الۡاَھۡلِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ وَعۡثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الۡمَنۡظَرِ، وَسُوۡءِ الۡمُنۡقَلَبِ فِی الۡمَالِ وَالۡاَھۡلِ.[۹۵]

’’وہ ذات پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے لیے تابع فرمان بنا دیا ہے، دراں حالیکہ ہم اس پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ، ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے ہیں اور ایسے عمل کی توفیق مانگتے ہیں جو تجھے راضی کر دے۔ اے اللہ، تو ہمارے اس سفر کو ہم پر سہل کر دے اور اس کی درازی سمیٹ دے۔ اے اللہ، تو سفر میں ساتھی ہے اور پیچھے اہل وعیال میں رکھوالا ہے۔ اے اللہ، میں اس سفر کی مشقت سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ کوئی برا منظر میرے سامنے آئے اور اس سے بھی کہ اپنے اہل وعیال اور اموال میں لوٹوں تو کوئی خرابی میرے لیے منتظر ہو۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر کی ابتدا بالعموم اسی دعا سے کرتے تھے۔

۱۲۔اَللّٰھُمَّ، رَحۡمَتَکَ اَرۡجُوۡ، فَلَا تَکِلۡنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ، وَاَصۡلِحۡ لِیۡ شَأۡنِیۡ کُلَّہٗ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ.[۹۶]

’’اے اللہ، میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، تو لمحے بھر کے لیے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے تمام معاملات درست فرما دے۔ (پروردگار)، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔‘‘

۱۳۔اَللّٰھُمَّ، اکۡفِنِیۡ بِحَلَالِکَ عَنۡ حَرَامِکَ، وَاَغۡنِنِیۡ بِفَضۡلِکَ عَمَّنۡ سِوَاکَ.[۹۷]

’’اے اللہ، حرام کو چھوڑ کر تیرا حلال ہی میرے لیے کافی ہو جائے۔ اور اپنے فضل سے تو مجھے اپنے سوا ہر چیز سے بے پروا کر دے۔‘‘

۱۴۔اَللّٰھُمَّ، اِنِّیۡ عَبۡدُکَ، وَابۡنُ عَبۡدِکَ، وَابۡنُ اَمَتِکَ ؛ نَاصِیَتِیۡ بِیَدِکَ، مَاضٍ فِیَّ حُکۡمُکَ،

---

[۹۵] مسلم، رقم ۱۳۴۲۔

[۹۶] ابوداؤد، رقم ۵۰۹۰۔

[۹۷] ترمذی، رقم ۳۵۶۳۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَدلٌ فِیَّ قَضاءُ كَ، اَسأَلُكَ بِكُلِّ اسمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّیتَ بِهِ نَفسَكَ، اَو اَنزَلتَهُ فِی کِتَابِکَ، اَو عَلَّمتَهُ اَحَدًا مِّن خَلقِكَ، اَوِ استَأثَرتَ بِهِ فِی عِلمِ الغَیبِ عِندَكَ، اَن تَجعَلَ القُرآنَ رَبِیعَ قَلبِی، وَنُورَ صَدرِی، وَجِلاءَ حُزنِی، وَذَهَابَ هَمِّی[98].

''اے اللہ، میں تیرا بندہ ہوں، تیرے غلام اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم مجھ پر جاری ہے، تیرا فیصلہ میرے لیے حق ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے جس کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو پکارا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں اختیار فرمایا ہے، یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کا مداوا اور میری پریشانیوں کا علاج بنا دے۔''

۱۵۔اَللّٰهُمَّ، اِنِّی اَعُوذُ بِكَ مِنَ الهَمِّ، وَالحَزَنِ، وَالعَجزِ، وَالكَسَلِ، وَالجُبنِ، وَالبُخلِ، وَضَلَعِ الدَّینِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ[99].

''اے اللہ، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، فکر سے، غم سے، عاجزی، سستی، بزدلی، بخل اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبے سے۔''

۱۶۔اَللّٰهُمَّ، اِنِّی اَعُوذُ بِكَ مِنَ الكَسَلِ، وَالهَرَمِ، وَالمَغرَمِ، وَالمَاْثَمِ. اَللّٰهُمَّ، اِنِّی اَعُوذُ بِكَ مِن عَذَابِ النَّارِ، وَفِتنَةِ النَّارِ، وَفِتنَةِ القَبرِ، وَعَذَابِ القَبرِ، وَمِن شَرِّ فِتنَةِ الغِنٰی، وَشَرِّ فِتنَةِ الفَقرِ، وَمِن شَرِّ فِتنَةِ المَسِیحِ الدَّجَّالِ. اَللّٰهُمَّ، اغسِل خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلجِ وَالبَرَدِ، وَنَقِّ قَلبِی کَمَا یُنَقَّی الثَّوبُ الاَبیَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِد بَینِی وَبَینَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدتَ بَینَ المَشرِقِ وَالمَغرِبِ[100].

''اے اللہ، میں سستی سے، بڑھاپے سے اور تاوان اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ، میں پناہ مانگتا ہوں، آگ کے عذاب سے، آگ کی آزمایش سے، قبر کی آزمایش سے، قبر کے عذاب سے، دولت کی آزمایش کے شر سے، فقر کی آزمایش کے شر سے اور مسیح دجال کی آزمایش کے شر سے۔ اے اللہ، تو میرے گناہوں کو برف اور

---

۹۸ صحیح ابن حبان، رقم ۹۷۲۔ مسند احمد، رقم ۳۷۰۴۔

۹۹ بخاری، رقم ۶۳۶۹۔

۱۰۰ بخاری، رقم ۶۳۷۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو پاک کر دے، جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے، اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان میں ایسی دوری پیدا کر دے، جیسی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں پیدا کر رکھی ہے۔"

۱۷۔ اَللّٰھُمَّ، اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا۔[۱۰۱]

"اے اللہ، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔"

۱۸۔ اَللّٰھُمَّ، اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ، وَجَھْلِیْ، وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ. اَللّٰھُمَّ، اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ، وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ، وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ. اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ، وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ. اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[۱۰۲]

"اے اللہ، تو میری خطا اور نادانی اور معاملات میں میری زیادتی کو معاف فرما دے اور اُن سب چیزوں کو بھی جنھیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ، تو میرے قصد اور میری ہنسی اور میرے دانستہ اور نادانستہ، سب معاف فرما دے، یہ سب میری ہی طرف سے ہے۔ اے اللہ، تو بخش دے جو کچھ میں نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے، اور جو کچھ چھپایا اور جو کچھ علانیہ کیا ہے، اور وہ بھی جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

۱۹۔ اَللّٰھُمَّ، اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْھُدٰی، وَالتُّقٰی، وَالْعَفَافَ، وَالْغِنٰی۔[۱۰۳]

"اے اللہ، میں تجھ سے ہدایت اور تقویٰ اور نفس کی پاکیزگی اور استغنا کا سوال کرتا ہوں۔"

۲۰۔ اَللّٰھُمَّ، اغْفِرْ لِیْ، وَارْحَمْنِیْ، وَاھْدِنِیْ، وَعَافِنِیْ، وَارْزُقْنِیْ۔[۱۰۴]

"اے اللہ، تو مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، عافیت دے اور رزق عطا فرما۔"

۱۰۱؎ مسلم، رقم ۲۷۲۲۔

۱۰۲؎ مسلم، رقم ۲۷۱۹۔

۱۰۳؎ مسلم، رقم ۲۷۲۱۔

۱۰۴؎ مسلم، رقم ۲۶۹۷۔

۲۱۔اَللّٰھُمَّ، اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً، وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً، وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.[105]

''اے اللہ، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

۲۲۔اَللّٰھُمَّ، اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَّعَمَلاً مُتَقَبَّلاً، وَّرِزْقًا طَیِّبًا.[106]

''اے اللہ، میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو نفع دے اور ایسے عمل کا جو قبول کیا جائے اور ایسی روزی کا جو پاکیزہ ہو۔''

۲۳۔اَللّٰھُمَّ، بِعِلْمِكَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَی الْخَلْقِ، اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَیَاۃَ خَیْرًا لِّیْ، وَتَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاۃَ خَیْرًا لِّیْ. اَللّٰھُمَّ، وَاَسْأَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ، وَاَسْأَلُكَ كَلِمَۃَ الْحَقِّ فِی الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ، وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰی، وَاَسْأَلُكَ نَعِیْمًا لَّا یَنْفَدُ، وَاَسْأَلُكَ قُرَّۃَ عَیْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ، وَاَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَاَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَاَسْأَلُكَ لَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ، فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ، وَّلَا فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ، اَللّٰھُمَّ، زَیِّنَّا بِزِیْنَۃِ الْاِیْمَانِ، وَاجْعَلْنَا ھُدَاۃً مُھْتَدِیْنَ.[107]

''اے اللہ، تو اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے وسیلے سے مجھے اس وقت تک زندگی دے جب تک تو جینے کو میرے لیے بہتر جانے؛ اور اس وقت دنیا سے لے جا، جب تو لے جانے کو بہتر جانے۔ اے اللہ، اور میں کھلے اور چھپے میں تیری خشیت مانگتا ہوں؛ اور خوشی اور رنج میں سچی بات کی توفیق چاہتا ہوں؛ اور فقر و غنا میں میانہ روی کی درخواست کرتا ہوں؛ اور ایسی نعمت چاہتا ہوں جو تمام نہ ہو، اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور تیرے فیصلوں پر راضی رہنے کا حوصلہ مانگتا ہوں اور موت کے بعد زندگی کی راحت مانگتا ہوں؛ اور تجھ سے ملاقات کا شوق اور تیرے دیدار کی لذت مانگتا ہوں، اس طرح کہ نہ تکلیف دینے والی سختی میں رہوں اور نہ گم راہ کر دینے والے فتنوں میں۔ اے اللہ، تو ہمیں ایمان کی زینت عطا فرما اور ایسا بنا دے کہ خود بھی ہدایت پر رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت دیں۔''

۱۰۵؎ بخاری، رقم ۴۵۲۲۔ مسلم، رقم ۲۶۸۸۔

۱۰۶؎ مسند احمد، رقم ۲۶۵۶۴۔ ابن ماجہ، رقم ۹۲۵۔

۱۰۷؎ نسائی، رقم ۱۳۰۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عبدالستار غوری

سریانی وارامی زبان کے بارے میں وضاحت

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ ''الاعتصام''[1] صفحہ ۸ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ثناء اللہ خان صاحب مدنی مدظلہ نے ایک سوال کے جواب میں 'سریانی' زبان کے متعلق چند تصریحات درج فرمائی ہیں۔ مولانا مدنی کے جواب کا پہلا جملہ درست ہے کہ 'سریانی مستقل زبان کا نام ہے۔' لیکن یہ بات درست نہیں کہ 'انجیل سریانی زبان میں تھی۔' مولانا مدنی نے یہ بات شہاب الدین احمد قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' کے حوالے سے نقل کی ہے۔ علامہ قسطلانی نے یہ بات کسی باقاعدہ حوالے یا علم کی بنا پر نہیں کہی، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک سنی سنائی بات نقل کر دی ہے اور اس سلسلے میں خود کوئی تحقیق نہیں کی۔ اس بات کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ علامہ قسطلانی نے یہ بیان 'قیل' (کہا جاتا ہے) کے صیغۂ مجہول کے تحت لکھا ہے۔

جو لوگ بائبل کے متعلق تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں، ان سے یہ بات مخفی نہیں کہ انجیل ابتدا ہی سے یونانی (Greek) زبان میں لکھی گئی تھی۔ جبکہ حضرت مسیح کی زبان ارامی (Aramaic) تھی اور انھوں نے اپنے مواعظ و بشارات اسی ارامی زبان میں ارشاد فرمائے تھے۔ لیکن ان کے جو ارشادات بائبل کے عہد نامہ جدید کی چاروں انجیلوں اور دیگر تحریروں میں درج ہیں، وہ کبھی بھی اپنی اصلی حالت میں (ارامی زبان میں) نہیں لکھے گئے تھے۔ ان

---

[1] ش ۳۴/۵۷ (۲ تا ۸ ستمبر ۲۰۰۵)

کے ضبط تحریر میں لائے جانے کی ابتدا ہی ترجمے سے ہوئی اور وہ شروع ہی سے یونانی زبان میں لکھے گئے تھے۔ایسا نہیں ہوا کہ انجیلیں شروع میں اپنی اصلی حالت میں ارامی زبان میں لکھی گئی ہوں اور بعد میں ان کا یونانی میں ترجمہ ہو گیا ہو، بلکہ ان کی ابتدا ہی یونانی ترجمے سے ہوئی ہے۔یعنی 'مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی'۔

ارامی زبان، سامی النسل (Semitic) زبانوں کا ایک گروہ ہے، جو عبرانی زبان (Hebrew) سے بہت قریب ہے۔عبرانی بائبل کے عہد نامہ قدیم میں کتاب عزرا، کتاب دانیال اور کتاب یرمیاہ کی بعض عبارتوں کی زبان ارامی ہے۔عہد نامہ جدید میں صلیب پر حضرت عیسیٰ کی طرف جو فقرہ منسوب کیا جاتا ہے (ایلی ایلی لما سبقتنی) وہ بھی ارامی کا جملہ ہے۔بائبل کے کچھ ترجمے اور حواشی ارامی زبان میں لکھے گئے تھے اور ترجموں وغیرہ کی اس صنف کا مستقل نام ہی ترجوم (Targum) ہے۔اس سے لفظ 'ترجمہ' ہمارے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے۔ارام اصل میں شام اور اس کے شمالی مشرقی خطے کا مجموعی نام تھا۔

ارامی زبان ایک وسیع زبان ہے جو بالعموم چار گروہوں میں تقسیم کی جاتی ہے:

1- قدیم ارامی

2- دفتری و سرکاری ارامی

3- بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے علاقوں کی ارامی (Lavantine Aramic)

4- مشرقی ارامی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مشرقی ارامی میں (الف) بابل کے یہودیوں کی ارامی (ب) مینڈین ارامی (عراق کے مینڈینز کے مذہبی ادب کی زبان) (ج) سریانی اور (د) جدید سریانی شامل ہیں۔

اس طرح سریانی درحقیقت ارامی کی ذیلی بولی (Dialect) ہے۔مشرقی ارامی زبان کی اس بولی کو مسیحیوں نے اختیار کر لیا تھا، لیکن غالباً یہ اس علاقے میں حضرت عیسیٰ کی آمد سے پہلے بھی رائج تھی۔۴۵۱ء کی کونسل کے مباحث کے بعد ارامی بولنے والے اکثر و بیشتر مسیحیوں نے سریانی کو اپنی کلیسائی اور ثقافتی زبان کے طور پر اختیار کر لیا۔اس سے ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے مذہب و ثقافت کو بازنطینی اثرات سے بچا سکیں۔اس طرح ان کے ذریعے سے اس سریانی زبان کے اثرات مشرق میں ایران، ترکستان، ہندوستان اور چین میں، مغرب میں ایشیاے کوچک، شام اور فلسطین میں اور جنوب میں عرب اور مصر میں بھی پھیل گئے۔ارمینیا، مصر اور عرب کی زبانوں کو اس نے بہت متاثر کیا۔اسلامی فتوحات کے بعد بول چال کی زبان کے طور پر عربی نے اس کی جگہ لے لی۔ادبی مقاصد کے لیے سریانی

پندرھویں صدی تک رائج رہی اور بعض شامی کلیساؤں میں یہ اب بھی مراسم عبادت کی زبان کے طور پر مستعمل ہے۔ موصل اور کردستان کے بعض دیہی علاقوں کے گھروں میں بول چال کی زبان کے طور پر یہ ابھی تک رائج ہے، لیکن عربی زبان کے ادبی، لسانیاتی اور صوتی اثرات اس پر بہت زیادہ ہیں اور بازاروں اور دفتروں میں اس کا اتنا رواج نہیں، کیونکہ وہاں پر عربی زبان کا استعمال زیادہ ہے۔ عربی زبان کا رسم الخط نباتی (یا نبطی) حروف ابجد سے ماخوذ ہے، لیکن خود نباتی (نبطی) رسم الخط کا وجود سریانی اور ارامی رسم الخط کا مرہون منت ہے۔

بلاشبہ مولانا مدنی بالعموم اپنا موقف سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں بھی مجال کلام نہیں کہ یہ ایک علمی رویہ ہے۔ مولانا کو اس پر بجا طور پر فخر بھی ہے، لیکن سند اور حوالے کی داخلی حیثیت پر فکر و تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا نے ''ارشاد الساری'' سے نقل فرمایا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ تورات عبرانی اور انجیل سریانی زبان میں تھی۔'' اس جملے کے دو اجزا ہیں۔ پہلا حصہ ''تورات عبرانی زبان میں تھی'' بڑی حد تک درست ہے (اگرچہ اس میں بعض ارامی زبان کی عبارتیں بھی موجود ہیں)۔ جہاں تک دوسرے حصے کا تعلق ہے کہ ''انجیل سریانی زبان میں تھی'' تو یہ بات سراسر غلط ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ علامہ قسطلانی جیسے فاضل محقق نے یہ جملہ ایک سنی سنائی بات کی بنیاد پر لکھ دیا، جیسا کہ جملے کے شروع میں رقم طراز ہیں ''کہا جاتا ہے کہ'' یہ ایک اہم بات ہے اور اسے لکھنے سے پہلے علامہ قسطلانی کو متعلقہ اہل علم یا کتب سے رجوع کر لینا چاہیے تھا، جو اتنا دشوار نہ تھا۔ اس طرح علامہ کو اصل صورت حال کا پتا چل جاتا۔ مولانا مدنی بھی اگر علامہ پر یوں اندھا اعتماد نہ کرتے، بلکہ کسی متعلقہ صاحب علم یا متعلقہ کتب سے رجوع کر لیتے، جو بہت مشکل نہ تھا، تو وہ کبھی یہ بات نقل نہ کرتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے دور میں ارض مقدس اور اس کے متعلقہ علاقوں کی عام روزمرہ بول چال کی زبان ارامی تھی۔ (اگرچہ سرکاری، دفتری اور علمی مقاصد کے لیے یونانی زبان بھی جڑ پکڑ چکی تھی)۔ حضرت عیسیٰ نے اپنا پیغام ارامی زبان میں پہنچایا تھا۔ اس طرح انجیل کی اصل زبان بھی ارامی تھی (اگرچہ اس زبان میں اسے لکھا کبھی نہیں گیا، بلکہ یہ شروع ہی سے یونانی زبان میں ضبط تحریر میں لائی گئی تھی)۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک آتے آتے (حضرت عیسیٰ سے قریباً چھ صدی بعد) مسیحی حلقوں میں اور ارض مقدس کے علاقوں (شام اور فلسطین وغیرہ) میں ارامی کی جگہ سریانی نے لے لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ نبی اکرم کے دور میں مسیحیوں اور ارض مقدس کی روزمرہ بول چال اور عوامی رابطوں کی زبان (Lingua Franca) تو بلاشبہ سریانی (Syriac) تھی، لیکن یہ انجیل کی زبان ہرگز نہ تھی۔ چنانچہ

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ قسطلانی کی یہ بات کہ 'انجیل سریانی زبان میں تھی' سراسر غلط ہے۔

مولانا مدنی کے اس جواب کے آخری پیراگراف کا پہلا جملہ ہے 'عربانی زبان کی اصل سریانی ہے' یہاں کمپوزنگ کی غلطی ہو گئی ہے، کیونکہ 'عربانی' نام کی کوئی زبان کبھی سنی نہیں گئی۔ اصل لفظ غالباً 'عربی' ہو گا یا پھر 'عبرانی'۔ اگر کہا جائے 'عبرانی زبان کی اصل سریانی ہے' تو یہ بات محل نظر ہے۔ البتہ یہ بات بالعموم درست مانی جاتی ہے کہ عربی زبان سریانی سے کافی متاثر ہوئی ہے، اس کی اصل سریانی ہے۔ اگرچہ اسے بھی مسلمہ حقیقت کی حیثیت حاصل نہیں۔ مولانا مدنی نے یہ بات فاکہی کی 'اخبار مکہ' کے حوالے سے لکھی ہے۔ بہتر ہو گا کہ جریدے کی قریبی اشاعت میں اصل ماخذ سے رجوع کر کے اس کی وضاحت کر دی جائے۔

بائبل کے بارے میں ہمارے بزرگوں کی سہل انگاری کی ایک اور مثال ''الاعتصام'' کے اسی شمارے میں صفحہ ۲۴ کالم ۲ کی ابتدائی دو سطور میں ''الاتقان'' کے حوالے سے دیکھی جا سکتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اصفہانی کے حوالے سے لکھا ہے 'ومن سور الانجیل سورة تسمی سورة الامثال'[۲] مولانا محمد حلیم انصاری اس کا اردو ترجمہ[۳] کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورہ کا نام الامثال ہے۔'' ''الاعتصام'' کے مضمون نگار جناب حماد ظفر سلفی لکھتے ہیں: ''بلکہ انجیل کی ایک پوری سورہ کا نام بھی امثال ہے۔'' اس سلسلے میں مختصراً گزارش ہے کہ انجیل حضرت عیسیٰ سے منسوب کتاب ہے، جو بائبل کے عہد نامۂ جدید کا حصہ ہے، جبکہ کتاب 'امثال' عہد نامۂ قدیم کی ایک کتاب ہے۔ اسے عموماً 'مثال سلیمان' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کا بڑا حصہ مسلمہ طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تصنیف ہے۔ حضرت سلیمان کا دور حضرت عیسیٰ سے قریباً دس صدی (ایک ہزار سال) پہلے کا ہے۔ 'امثال' کو اس کی تالیف سے ہزار سال بعد مرتب ہونے والی انجیل کی ایک سورہ کہنا درست نہیں۔

نوٹ: اس تحریر کو جان بوجھ کر حوالوں سے گراں بار نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی مزید تحقیق فرمانا چاہیں تو راقم سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲؎ (جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن / ۲، النوع السادس والستون فی امثال القرآن، الناشر دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۹/ ۲/ ۲۷۲)

۳؎ (الاتقاق فی علوم القرآن اردو ترجمہ، ناشر ادارۂ اسلامیات لاہور، ۱۹۸۲، ۲/ ۳۲۶)۔

محمد وسیم اختر مفتی

عمر بن عبد العزیز

عمر بن عبد العزیز آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے جڑواں بھائی عبد شمس کی اولاد میں سے تھے۔ آپ ۶۱ھ (۶۸۱ء) میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبد العزیز کافی عرصہ مصر کے گورنر رہے۔ چنانچہ عمر کو اپنا لڑکپن مصر میں گزارنے کا موقع ملا۔

عمر دبلے پتلے اور گندم گوں تھے۔ آپ کی فطرت سلیمہ بچپن ہی سے نمایاں تھی۔ بڑے شوق سے دینی علوم سیکھے۔ والد نے مزید تعلیم کے لیے مصر سے شام بھیجنا چاہا، لیکن عمر نے مشورہ دیا کہ بہتر اور مفید صورت مدینے جانا ہے، اس لیے کہ وہاں کئی صحابہ اور تابعین موجود ہیں۔ والد نے خدام کے جلو میں شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھیج دیا۔ صالح بن کیسان کی ذمہ داری لگائی اور ہدایت کی کہ عمر کی نمازوں کا خاص دھیان رکھنا۔ آپ اپنی عمر کے لڑکوں کے بجائے زیادہ تر بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ تمام محدثین اور فقہا سے استفادہ کیا۔ ان میں سے انس بن مالک، عبد اللہ بن جعفر، سائب بن یزید، سہل بن سعد، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، ابو سلمہ بن عبد الرحمان، یحییٰ بن قاسم اور عامر بن سعد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

محنت اپنا رنگ لاتی ہے۔ عمر بن عبد العزیز بھی مجتہد ہو گئے۔ سب علما نے انھیں ثقہ اور فقیہ مانا۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں، عمر کے سوا کسی تابعی کا قول حجت نہیں۔

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ اللہ جس طرح اس لڑکے کے دل میں جاگزیں ہے، شاید ہی کسی کے دل میں ہو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کے پیچھے نماز پڑھی اور فرمایا: اس نوجوان کا نماز پڑھانے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ آپ سجدہ اور رکوع طویل کرتے، جبکہ قیام اور قعدہ مختصر

رکھتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے شیخ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے خاص طور پر مانگ کر وہ پیالہ لیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے تھے۔ اساتذہ کی اچھی تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ مشہور فقیہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بھی آپ کے استاد تھے۔ انھیں معلوم ہوا کہ بنوامیہ کے اکثر افراد کی طرح عمر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ جب وہ ان سے پڑھنے گئے تو انھوں نے غصے سے پوچھا: تمھیں کیسے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر سے راضی ہونے کے بعد پھر ناراض ہو گیا ہے؟ عمر کو بات فوراً سمجھ میں آ گئی۔ کہا: میں اللہ سے اور پھر آپ سے معافی چاہتا ہوں، بخدا آیندہ ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہمیشہ ادب و احترام سے لیا۔

اس نیک فطرت کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز ٹھاٹ باٹ سے رہتے، عمدہ لباس پہنتے، خوش بو لگا کر رکھتے اور تن کر چلتے۔ آپ ۸۵ھ تک مدینہ میں مقیم رہے۔ جب والد کی وفات ہوئی تو آپ کے چچا عبدالملک بن مروان جو خلیفہ تھے، آپ کو دمشق لے گئے اور اپنی بیٹی فاطمہ سے آپ کی شادی کر دی۔ یہ وہی فاطمہ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا:

بنت الخليفة و الخليفة جدها   اخت الخلائف و الخليفة زوجها

''یہ فاطمہ ایک خلیفہ (عبدالملک) کی بیٹی ہے، اس کا دادا مروان خلیفہ تھا، یہ خلیفوں (ولید، سلیمان، یزید اور ہشام) کی بہن ہے اور اس کا خاوند (عمر بن عبدالعزیز) بھی خلیفہ ہے۔''

۸۷ھ میں جب عبدالملک کے بعد ولید خلیفہ بنا تو اس نے اپنے بہنوئی عمر بن عبدالعزیز کو حجاز (مکہ، مدینہ اور طائف) کا گورنر مقرر کر دیا۔ اپنے پیش رو گورنروں کے برخلاف، جو مستبدانہ حکومت کرتے تھے، آپ نے دس متقی فقہا کی مجلس مشاورت بنائی۔ اس میں فقہاے سبعہ (سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمان اور سلیمان بن یسار) کے علاوہ ابوبکر بن سلیمان، سالم بن عبداللہ اور عبداللہ بن عامر شامل تھے۔ آپ نے کہا: میں نے تمھیں ایسے کام کے لیے بلایا ہے، جس کا تمھیں اجر ملے گا۔ تم حق کے مددگار بن جاؤ، میرے کارندوں کی کڑی نگرانی کرو۔ ان میں سے کوئی بے انصافی یا زیادتی کرتا دکھائی دے تو تمھیں اللہ کا واسطہ ہے، مجھے بے خبر نہ رکھنا۔ آپ سعید بن مسیّب کی بات ہرگز رد نہ کرتے۔ وہ بھی عمر بن عبدالعزیز کے سوا کسی حاکم کے پاس نہ جاتے تھے۔ سلیمان بن یسار عمر سے مل کر آئے۔ ابونضر نے پوچھا کیا پڑھا کر آئے ہو؟ انھوں نے کہا، عمر ہم سے زیادہ عالم ہیں۔ مجاہد کا کہنا تھا: ہم عمر کو سکھانے جاتے، مگر الٹا ان سے سیکھ کر آتے۔ میمون

فرماتے ہیں: علما عمر کے سامنے شاگردوں کی طرح محسوس ہوتے۔

۹۲ھ میں ولید کے کہنے پر آپ نے مسجد نبوی کو وسیع کیا اور حجرۂ رسول کو مسجد میں شامل کر دیا۔ آپ کے دور میں ایک ناخوش گوار واقعہ بھی پیش آیا۔ آپ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے خبیب کو خلیفہ کے کہنے پر کوڑے لگوائے اور سردی میں کھڑا کر دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس حادثے نے آپ کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ جو آپ کی تعریف کرتا، اسے کہتے: مجھے خبیب کے قتل کی سزا سے کون بچائے گا۔ کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ گورنر عراق حجاج بن یوسف آپ کو سخت ناپسند کرنے لگا۔ اس لیے کہ حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر لوگوں نے حرمین میں پناہ لینا شروع کر دی تھی۔ چنانچہ حجاج کے اصرار پر آپ کو ۹۳ھ میں حجاز کی گورنری سے معزول کر دیا گیا، لیکن کوئی انتقامی کارروائی نہ کی گئی۔ آپ مدینے سے نکلے تو آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ شہر نبوی کا رخ کیا اور اپنے غلام مزاحم کو پکار کر کہا: مجھے لگتا ہے میں ان لوگوں میں شامل ہوگیا ہوں جنھیں مدینہ نکال باہر کرتا ہے۔ آپ کا اشارہ اس ارشاد نبوی کی طرف تھا: ''مدینہ دھونکنی کی مانند ہے، میل کچیل کو نکال باہر کرتا ہے اور خالص شے کو رکھ لیتا ہے'' (بخاری، رقم ۱۸۸۴)۔ مدینے سے آپ سویدا گئے پھر اپنے چچا زاد بھائیوں کے پاس دمشق چلے گئے۔ فرماتے تھے: مدینے کی برکت سے میں اپنے آپ کو علم سے سرشار سمجھتا تھا۔ اب یوں لگتا ہے، گویا سب کچھ بھول چکا ہوں۔ خلافت ملنے سے پہلے عمر بن عبدالعزیز میں زہد اور خاندانی جاہ ملے جلے نظر آتے ہیں، لیکن جب ان کو خرقۂ خلافت پہنایا گیا، ان کا کروفر جاتا رہا اور دنیا سے بے نیازی اور خشیت الٰہی اس قدر غالب آ گئی کہ ان کی ساری توجہ اسلامی سلطنت کا اندرون اور مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی طرف مرکوز ہوگئی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے واقعے کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ ایک جمعے کے دن اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے سبز ریشمی کپڑے پہنے، آئینہ دیکھا اور کہا: واللہ! میں تو نوجوان بادشاہ ہوں۔ پھر وہ جامع مسجد کو نکلا، جمعہ پڑھایا۔ لوٹا ہی تھا کہ بخار سے پھنکنے لگا۔ رفتہ رفتہ بیماری بڑھی تو اس نے اپنے بیٹے ایوب کو وصیت کا خط تحریر کیا جو اس وقت نابالغ بچہ تھا۔ رجا بن حیوہ کا بیان ہے، ''میں نے کہا: امیر المومنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جو خلیفہ کو قبر میں بھی یاد دلائی جائیں گی کہ وہ ایک نیک آدمی کو اپنا جانشین مقرر کرے۔'' سلیمان نے جواب دیا، ''اس خط میں میں نے اللہ سے استخارہ کیا ہے، ایک رائے بنائی ہے اور اس کا پختہ ارادہ نہیں کیا۔'' اس نے ایک دو دن انتظار کیا پھر خط پھاڑ دیا اور مجھے بلا کر پوچھا، ''داؤد بن سلیمان کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا ''وہ قسطنطنیہ میں غائب ہے۔ آپ نہیں جانتے، زندہ ہے یا مردہ؟'' سلیمان نے کہا، ''تمھارے

خیال میں کون ہونا چاہیے؟'' میں نے کہا،''امیر المومنین! رائے آپ ہی کی ہو گی۔ میں تو چاہتا ہوں جو قابل ذکر ہیں ان کے بارے میں غور کروں۔'' تب سلیمان نے کہا،''عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا، ''میں بخدا انھیں عالم اور اچھے مسلمان کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ اس نے کہا،''تمھارا خیال صحیح ہے، قسم اللہ کی! اگر میں نے ان کو خلافت سونپی اور عبدالملک بن مروان کے بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا تو ضرور فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ وہ انھیں ہمیشہ اپنا حکمران نہ رہنے دیں گے الا یہ کہ عمر کے بعد ان میں سے کسی کا تقرر کر جاؤں۔ چنانچہ میں ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو مقرر کرتا ہوں، یہ تقرر بنو امیہ کو مطمئن کر دے گا۔'' سلیمان نے اپنے ہاتھ سے فرمان تحریر کیا،''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط اللہ کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کی طرف ہے۔ میں نے اپنے بعد اس کو والی خلافت مقرر کیا ہے اور اس کے بعد یزید بن عبدالملک کو۔ تم سب اس کی سمع و طاعت کرو، اللہ سے ڈرو اور اختلاف نہ کرو مبادا دشمنوں کی جانب سے تم پر غلبہ حاصل کرنے کی حرص کی جائے۔'' سلیمان نے خط پر شاہی مہر لگائی اور چیف سیکرٹری کعب بن حامز کو حکم بھیجا کہ شاہی خاندان کے افراد کو جمع کیا جائے۔ وہ اکٹھے ہوئے تو اس نے رجا بن حیوہ سے کہا،''میرا یہ خط ان کے پاس لے جاؤ اور انھیں میرے تقرر کردہ ولی عہد کی بیعت کرنے کا حکم دو۔'' سب نے سمع وطاعت کا عہد کیا اور امیر المومنین سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب وہ آئے تو سلیمان نے خط کی طرف اشارہ کر کے اس میں درج والی خلافت کی سب سے فرداً فرداً بیعت لی۔ کچھ دیر کے بعد عمر بن عبدالعزیز رجا کے پاس آئے اور اپنے اوپر سلیمان بن عبدالملک کی عنایتوں کا ذکر کر کے پوچھا: کہیں یہ ذمہ داری مجھ پر تو نہیں ڈال دی گئی؟ میں ابھی معذرت کر کے چھوٹ جاتا ہوں۔ رجا نے بتانے سے انکار کر دیا۔ ہشام بن عبدالملک نے بھی اسی طرح رجا سے سن گن لینے کی کوشش کی، یہ الگ بات ہے کہ وہ خود خلیفہ بننے کا خواہش مند تھا۔ رجا بن حیوہ فارغ ہو کر سلیمان کے پاس لوٹے تھے کہ اس نے دم توڑ دیا۔ تاریخ ۲۰ صفر ۹۹ھ (اکتوبر ۷۱۷ء) تھی۔ رجا بن حیوہ نے خاندان بنو امیہ کے افراد کو دوبارہ مسجد میں جمع کیا اور پھر سے خلیفہ سلیمان کے مقرر کردہ جانشین کی بیعت لی۔ بیعت ہو چکی تو انھوں نے بتایا کہ خلیفہ کی وفات ہو چکی ہے اور عمر بن عبدالعزیز نامزد خلیفہ ہیں۔ سلیمان نے اپنے بھائیوں ولید اور ہشام پر عمر بن عبدالعزیز کو ترجیح دی تھی، ہشام نے شروع میں اپنے بہنوئی اور چچا زاد بھائی کے منتخب ہونے پر اعتراض کیا، لیکن پھر اس انتخاب کو مان لیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے سلیمان کا جنازہ پڑھایا۔ تدفین سے فارغ ہوئے تو گھوڑوں اور خچروں کا لاؤ لشکر انھیں لینے پہنچا۔ انھوں نے پوچھا،''یہ کیا ہے؟'' بتایا گیا:''یہ خلیفہ کی سواریاں ہیں۔'' عمر نے کہا:''میرا خچر ہی

بہترین سواری ہے'' اور اس پر سوار ہو گئے ۔ جب قافلۂ خدام شاہی محل کی طرف روانہ ہوا تو عمر نے کہا: ''وہاں ابو ایوب (سلیمان کی کنیت) کے اہل خانہ مقیم ہیں، میرا گھر مجھے کافی ہے۔'' پھر وہ مسجد میں گئے، منبر پر چڑھے اور کہا: ''لوگو! اگر تم مجھے پسند نہیں کرتے تو میں تمھارا حاکم نہیں بنتا۔'' لوگوں نے کہا: ''ہم راضی ہیں۔'' سلام بن سلیم کہتے ہیں: حمد و ثنا کے بعد انھوں نے کہا: ''اے لوگو! جس نے ہمارا ساتھ دینا ہے، پانچ باتوں کا دھیان رکھ کر ہمارا ساتھ دے ورنہ ہمارے پاس نہ پھٹکے: ۱۔ وہ اس شخص کی ضرورت ہم تک پہنچائے گا جو خود نہیں پہنچا سکتا۔ ۲۔ اپنی پوری قوت سے نیک کاموں میں ہماری مدد کرے گا۔ ۳۔ جس خیر کا ہمیں پتا نہ چل سکا ہو، اس تک ہماری رہنمائی کرے گا۔ ۴۔ ہمارے پاس رعایا کی چغلی نہ کھائے گا۔ ۵۔ جو اس کے مطلب کی بات نہ ہو، اس کے درپے نہ ہو گا۔''

یہ کھرا وعظ سن کر خوشامدی شاعر اور خطیب تو چھٹ گئے، البتہ عمر بن عبدالعزیز اور فقہا و زاہدین کا ساتھ پختہ ہو گیا۔ چونکہ وہ خود کھرے مسلمان تھے اس لیے انھوں نے عمر کو چھوڑنے کی گنجایش نہ پائی، ہاں ان کے فعل کو ان کے قول پر پرکھنا شروع کر دیا۔ سری بن یحییٰ کی روایت ہے کہ عمر نے کہا: اے لوگو! اپنی آخرت درست کر لو، تمھاری دنیا تمھارے لیے سنور جائے گی۔ اپنی پوشیدہ باتوں کو درست کر لو، تمھارے ظاہری معاملات درست ہو جائیں گے۔ عمرو بن مہاجر کی روایت میں خطبے کا یہ حصہ نقل ہوا ہے: ''اے لوگو! قرآن کے بعد کوئی کتاب آئے گی نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی۔ سنو! میں قاضی نہیں، بلکہ نفاذ کرنے والا ہوں۔ سنو! میں بدعتی نہیں، بلکہ پیروی کرنے والا ہوں۔ ظالم امام سے بھاگنے والا ظالم نہیں۔ آگاہ رہو امام ظالم ہی گناہ گار ہو گا۔ سن لو! خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ ہو گی۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قلب ماہیت

عمر بن عبدالعزیز نماز جمعہ کے بعد خلیفہ بنے تھے، عصر کی نماز تک ان کی ہیئت بدل چکی تھی۔ انھوں نے گھر سے ابتدا کی، ان کے اہل خانہ نے لوگوں کے جو حقوق غصب کر رکھے تھے، وہ حق داروں کو واپس دلائے۔ دوسروں کی جو اراضی، مال متاع انھیں اپنے پاس نظر آیا، واپس کیا حتیٰ کہ ولید بن عبدالملک کا دیا ہوا انگوٹھی کا نگینہ بھی اتار دیا۔ خلیفہ بننے کے بعد انھوں نے اپنی مملوکہ اشیا غلام، لباس، خوش بوؤں اور سامان تعیش کا جائزہ لیا اور سب فالتو چیزیں بیچ ڈالیں۔ ان سے حاصل ہونے والے ۲۳ ہزار دینار اللہ کی راہ میں دے دیے۔ پھر بیت المال کا جائزہ لیا، حضرت معاویہ کے زمانے سے ان کے خلیفہ بننے تک کی جتنی غصب شدہ اشیا اس میں موجود تھیں، ان کے مالکوں کو واپس کیں۔ جو

اپنا مال غصب ہونے کا دعویٰ کرتا، اس سے قاطع دلیل طلب نہ کرتے، محض یہ امکان دیکھ کر کہ غصب ہوا ہو گا، دعویٰ مان لیتے۔ جب وہ محل میں پہنچے تو ان کے لیے وہ قالین بچھایا گیا جس پر سلیمان بیٹھتا تھا انھوں نے اس پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ قریش میں سب سے بڑھیا خوش بو لگانے والے، سب سے عمدہ لباس پہننے والے عمر جب خلیفہ ہوئے تو سب سے گھٹیا کپڑے پہننے اور سب سے زیادہ روکھا سوکھا کھانے والے بن گئے۔ ان کی چال تک بدل گئی، خلافت سے پہلے ان کی چال ایک متمول رئیس زادے کی چال تھی، خلافت کے بعد اس شخص کی طرح چلتے جس کی آنکھوں کے آگے موت ناچ رہی ہو۔ حجاج صواف بتاتے ہیں: ''عمر بن عبدالعزیز نے جب وہ مدینہ (اور حجاز) کے گورنر تھے اپنے کپڑے خریدنے کے لیے مجھے بھیجا۔ میں نے ان کے لیے ۴۰۰ درہم مالیت کا کپڑا لیا۔ انھوں نے اس کی قمیض پہنی تو اس کو چھو کر کہا: ''کیا موٹا اور کھردرا کپڑا ہے!'' پھر جب وہ خلیفہ بنے تو اپنے لیے کپڑا منگوایا۔ ۱۴ درہم کا کپڑا آیا تو اسے ہاتھ لگا کر کہا: ''سبحان اللہ! کیا نرم اور باریک کپڑا ہے۔'' یونس بن ابوشبیب کہتے ہیں: ''میں نے خلیفہ بننے سے پہلے عمر بن عبدالعزیز کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا، ان کے ازاربند کی گانٹھ ان کے پیٹ میں دھنسی ہوئی تھی۔ خلیفہ بننے کے بعد دیکھا تو یہ حال تھا کہ بغیر چھوئے ان کی پسلیاں گنی جا سکتی تھیں۔ خلیفہ بننے کے بعد ان کو مشورہ دیا گیا کہ ان کے کھانے کی نگرانی کی جائے، نماز پڑھتے وقت ایک پہرے دار کھڑا ہو اور ان کو طاعون سے دور رکھا جائے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ پہلے خلفا ان امور کا دھیان رکھتے تھے۔ عمر کا جواب تھا: ''ان احتیاطوں کے باوجود ان کا انجام کیا ہوا؟''

عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت محض ڈھائی سال رہا۔ انھوں نے اپنے فرائض کمال دیانت کے ساتھ سرانجام دیے۔ سادگی اور کفایت شعاری ان کے طرز حکومت کی امتیازی خصوصیت تھی۔ عمر کی توجہ زیادہ تر اسلامی سلطنت کے اندرونی معاملات پر رہی۔ ان کی اولین ترجیح لائق اور دیانت دار عاملوں کا تقرر تھا، چنانچہ انھوں نے خراسان کے عامل یزید بن مہلب کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اس کی جگہ جراح بن عبداللہ حکمی کا تقرر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز وعظ و نصیحت کے ذریعے سے غیر مسلموں کو قبول اسلام کی دعوت دیتے اور ان پر خراج عائد نہ کرتے۔ ان کے مقرر کردہ عامل اسماعیل بن عبداللہ کے دور میں تمام بربروں نے اسلام قبول کر لیا۔ ایک دوسرے عامل عمر بن مسلم باہلی کے کہنے پر سندھ کے راجاؤں نے اسلام قبول کیا، لیکن ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں وہ مرتد ہو گئے۔ جراح بن عبداللہ حکمی کے ہاتھ پر چار ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اموی دور حکومت کی ایک بری رسم خلیفۂ چہارم حضرت علی کو برا بھلا کہنے کی تھی، عمر بن عبدالعزیز نے اسے یکسر منسوخ کر دیا۔ پہلے عمر خوارج کے خلاف کارروائی نہیں کرنا

چاہتے تھے، لیکن جب انھوں نے لوٹ مار کرنا اور فتنہ وفساد پھیلانا شروع کیا تو ان سے قتال کا حکم دیا۔ قید ہونے والے خوارج سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ان کی وفات کے وقت ان کے کئی قیدی ان کی تحویل میں تھے۔

خلیفہ بنتے ہی عمر بن عبدالعزیز نے دربان سے کہا: ''قریش کے سرداروں کو میرے پاس لے آؤ۔ پھر ان سے کہا: ''فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، آپ اس کی آمدن وہاں خرچ کرتے جہاں آپ کو اللہ کی طرف سے رہنمائی ہوتی۔ پھر ابوبکر اس کے نگران بنے تو انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ان کے بعد عمر اس کے منتظم ہوئے، ان کا عمل بھی یہی تھا۔ آخر کار یہ مروان کو دے دیا گیا، اس نے اپنے بھتیجوں کو ہبہ کر دیا جو اس کے وارث نہ تھے، انھی میں سے ایک میں تھا۔ پھر ولید خلیفہ بنا، اس نے اپنا حصہ مجھے ہبہ کر دیا، سلیمان خلیفہ بنا تو اس نے بھی اپنا حصہ مجھے دے دیا۔ یہ میرا مال نہ تھا کہ میں اس سے نفع اٹھاتا، میں نے اسے اس کی جائز جگہ لوٹا دیا ہے۔'' مغیرہ کی روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ بننے کے بعد بنو مروان کو اکٹھا کر کے کہا: ''فدک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائداد تھا، آپ اسے بنو ہاشم کے بچوں پر خرچ فرماتے، ان کے کنواروں کی شادیاں کرتے۔ آپ کی بیٹی فاطمہ نے کہا، یہ مجھے دے دیجیے، آپ نہ مانے۔ آپ کی زندگی میں اس کی یہی حیثیت رہی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ جب ابوبکر خلیفہ بنے تو انھوں نے اس کی آں حضرت والی پوزیشن کو برقرار رکھا پھر وہ وفات پا گئے۔ دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر خلیفہ نے آں حضور اور ابوبکر کا اسوہ اختیار کیا حتیٰ کہ وہ رب کے ہاں چلے گئے۔ پھر یہ مروان کو دے دیا گیا اور عمر بن عبدالعزیز کے پاس آ گیا۔ میں سمجھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام فاطمہ کے لیے منع کیا تھا میرے لیے کرنا جائز نہیں۔ میں تم سب کو گواہ بنا کر فیصلہ کرتا ہوں کہ میں نے فدک اسی حالت میں لوٹا دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کی حیثیت سے فدک کا نخلستان فاطمہ اور علی کی اولاد کے سپرد کرتا ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بیت المال میں سے پہلا مال جو عمر بن عبدالعزیز نے تقسیم کیا، وہ خان وادۂ رسول کو بھیجا۔ ان کے ہر مرد، عورت، بچے اور بڑے کو برابر حصہ ملا۔ انھوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کے بند کردہ وظیفے جاری کرنے کو کہا، حسن بصری نے وظیفہ قبول کر لیا جب کہ ابن سیرین نے یہ پیش کش قبول کرنے کے لیے بصرہ والوں کے وظیفے جاری کرنے کی شرط رکھی۔ عمر بن عبدالعزیز نے جواب لکھا: ''بیت المال اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔'' خارجہ بن زید کا بھی یہی معاملہ ہوا: انھوں نے کہا: ''میں اکیلے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔'' وہ مقروض لوگوں کے قرضے قرآن کی الغارمین کے لیے مقرر کردہ مد میں سے اتارتے۔ انھوں نے لوگوں کو فدیہ دے کر بھی چھڑایا۔ ایک دفعہ ۱۰ رومی دے کر ایک مسلمان

کو چھڑایا۔ کوئی امانت یا بیوی کا مہر ادا نہ کر سکتا تو بیت المال سے ادا کرتے۔ وہ بسا اوقات ایک ہی مد میں ساری زکوٰۃ خرچ کر ڈالتے۔ انھوں نے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے عطیات بھی دیے حالانکہ حضرت عمر ان کا حصہ ساقط کر چکے تھے۔ آپ نے حضرت طلحہ کی جائداد بھی واپس کرائی جسے خلیفہ عبدالملک نے ضبط کر لیا تھا۔ عراق کا بیت المال لوگوں کے حقوق نمٹانے میں کھپ گیا چنانچہ عمر نے شام سے مال بھیجا۔ بیت المال عطاؤں میں لٹنا بند ہوا اور مساکین و غربا کو ان کا حق ملنا شروع ہوا تو مانگنے اور لینے والے نہ رہے۔ عبدہ بن ابولبابہ نے سلیمان بن داؤد کو ۵۰۰ درہم فقرا میں تقسیم کرنے کے لیے دیے، وہ ماجشون سے مشورہ کرنے گئے تو انھوں نے کہا: ''میرے علم میں نہیں کہ آج ان میں کوئی محتاج رہا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے انھیں مال دار بنا دیا ہے۔'' عمر بن اسید کہتے ہیں: ''عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یہ حال تھا کہ کوئی شخص بڑی رقم لے کر ہمارے پاس آتا اور کہتا: ''یہ فقرا میں جس طرح تم مناسب سمجھو بانٹ دو۔'' ہم اسی کوشش میں ہوتے کہ وہ مال کے مستحق لوگوں کو یاد کر کے اپنا مال واپس لے جاتا تب انھیں بھی ڈھونڈ نہ پاتا۔ عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو بے نیاز کر دیا تھا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عفت و احتیاط

مسلمانوں کے مال سے اپنا دامن بچانے کے لیے خلافت راشدہ کا احیا کرنے والے عمر کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بیت المال کے عطر کی خوش بو بھی نہ سونگھتے کہ ان کے نزدیک اس قدر فائدہ اٹھانا بھی حرام تھا۔ وہ بدعت سے دور بھاگتے تھے۔ کسی کو وہ کام نہ کہتے جس سے نماز کی ادائیگی دشوار ہو جائے۔ ایک آدمی عمر بن عبدالعزیز کو گالیاں دے رہا تھا، اسے قید میں ڈال کر آپ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی گئی۔ عمر ثانی نے جواب لکھا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو گالی دینے والے کو قتل نہ کیا جائے، تم اس آدمی کو گالی دینا چاہو تو دے لو اور چھوڑ دو۔'' ایک دفعہ یہ ہدایت بھیجی: ''میرے لیے خصوصی دعا نہ کی جائے، بلکہ اہل ایمان کے لیے دعا مانگی جائے، اگر میں ان میں سے ہوا تو دعا میں شامل ہو جاؤں گا۔''

معاشی اصلاحات

عمر بن عبدالعزیز نے یمن کے سابق حاکم، حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کی جانب سے عشر میں کیے ہوئے اضافے کو منسوخ کر دیا۔ انھوں نے گزشتہ خلفا کی طرف سے ایلہ اور قبرص کے عیسائیوں کے خراج میں کیا جانے والا

اضافہ بھی واپس لیا۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے ایک معاہدہ طے فرمایا تھا جس کی رو سے انھیں ان کے اپنے ملک میں امن وامان سے رہنے کی ضمانت دی گئی تھی اور دو ہزار کپڑوں کے جوڑے (حلے) سالانہ خراج مقرر ہوا تھا۔ان کی طرف سے بعض شرطوں کی خلاف ورزی پر خلیفۂ دوم حضرت عمر نے اس معاہدے کو منسوخ کر دیا اور ان کو یمن منتقل کر دیا۔وہ دو ہزار حلے سالانہ دیتے رہے،خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں دو سو حلوں کی کمی کر دی، کیونکہ کچھ لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے اور کچھ کی وفات سے نجرانیوں کی آبادی کم ہو گئی تھی۔عبدالرحمان بن محمد بن اشعث نے حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تو اس نے خراج کے حلوں کی تعداد پھر سے بڑھا کر اٹھارہ سو کر دی،اس کا خیال تھا کہ یہ باغیوں کی مدد کر رہے ہیں۔خلافت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئی تو نجرانیوں نے اپنی تباہ حالی کی شکایت ان سے کی،انھوں نے تخمینہ لگا کر صرف دو سو حلے خراج مقرر کیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے نظام مال گزاری کی اصلاح بھی کی۔خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب کا وضع کردہ یہ نظام نہایت موزوں تھا،لیکن یہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے کی ضروریات پوری نہ کرتا تھا۔غیر عرب باج گزار مسلمان ہو جاتے تو خراج سے مستثنیٰ ٹھہرتے۔بہت سے نومسلم اپنے دیہات چھوڑ کر شہروں میں بس گئے،اس طرح کاشت کاری کو نقصان پہنچا۔حجاج نے اس دشواری کو حل کرنے کے لیے مسلمان مالکان اراضی پر بھی خراج عائد کر دیا تھا اور شہروں کو نقل مکانی روک دی تھی،لیکن اس سے عام لوگوں میں ناراضی پیدا ہو گئی تھی۔عمر بن عبدالعزیز نے مسلمانوں پر خراج عائد نہ کرنے کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی۔اس کے برعکس انھوں نے قرار دیا کہ ممالک مفتوحہ مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں،ان کے ٹکڑے کیے جائیں نہ ذاتی جائداد کے طور پر ان کو بیچا جائے۔۱۰۰ھ (۷۱۸ء) میں انھوں نے مسلمانوں پر خراج عائد ہونے والی اراضی خریدنے کی ممانعت کر دی۔انھوں نے اس قانون کا اطلاق ماضی پر نہ کیا۔ نومسلموں کو انھوں نے شہروں میں آباد ہونے سے نہ روکا،البتہ انھیں اپنے علاقوں کو آباد رکھنے کی ترغیب دی۔ ان کا آخری خطبہ تھا،''اے لوگو!اپنے علاقوں میں رہو۔میں تمھیں تمھارے شہروں میں سب سے زیادہ یاد آؤں گا اور یہاں (دارالخلافہ) رہ کر سب سے زیادہ بھولا رہوں گا۔'' خراج سے متعلق ان کے وضع کردہ قوانین ان کے بعد باقی نہ رہے کیونکہ خراجی زمین کے ناقابل انتقال ہونے کا اصول ہمیشہ برقرار نہ رہ سکتا تھا۔ انھوں نے جنگ خراسان میں حصہ لینے والوں کو تنخواہ دی اور مال گزاری کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا۔عمر بن عبدالعزیز نے جیلوں کی اصلاح کے احکام بھی دیے،مجرموں اور مالی معاملات کے قیدیوں کو الگ الگ رکھنے کا حکم دیا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان کے دور حکومت میں اہم عسکری کارنامے بھی انجام پائے۔ اسلامی فوجیں کوہ البرانس (Pyrenees) عبور کر کے جنوبی فرانس میں داخل ہو گئیں اور بہت مال غنیمت لے کر واپس آئیں۔

خلیفہ ولید نے دمشق میں موجود یوحنا مصبّغ کے کنیسہ باسلق (Basilika) کو منہدم کر کے اس کی اراضی کو جامع اموی میں شامل کر لیا تھا۔ عمر کے خلیفہ بننے کے بعد عیسائیوں نے کنیسہ چھننے کی شکایت کی تو عمر نے اس کے بدلے میں دوسرے کلیسا عیسائیوں کے حوالے کیے جن میں سینٹ ٹامس کا کلیسا بھی شامل تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے اپنے عاملوں کو خطوط کسی کا حق واپس کرنے، کسی سنت کا احیا کرنے، بدعت کا قلع قمع کرنے، سخاوت یا نیکی کی تلقین پر مبنی ہوتے۔ انھوں نے عدی بن عدی کو خط لکھا، ''اسلام کی کچھ سنتیں، قوانین اور فرائض ہیں۔ جس نے انھیں مکمل کر لیا، اس نے ایمان کی تکمیل کر لی۔ جس نے ان کو مکمل نہ کیا، اس نے ایمان کی تکمیل نہ کی۔ اگر میں زندہ رہا، تمھیں وضاحت سے بتاؤں گا تاکہ تم ان پر عمل کرو۔ اور اگر میں مر گیا تو مجھے تمھاری صحبت کی حرص نہیں۔'' ایک بار لکھا، ''میرا یہ نفس شوقین مزاج ہے۔ اسے دنیا میں کوئی چیز بھی ملی تو اس نے اس سے بہتر کی خواہش کی۔ جب وہ کچھ مل گیا جس سے بہتر دنیا میں کچھ نہیں تو نفس نے اس سے بہتر کی خواہش کی۔'' سعید بن عامر کا کہنا ہے، ''اس کا مطلب ہے، ''جنت خلافت سے بہتر ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تقویٰ

عمر بن عبدالعزیز پر خوف خدا اور تقویٰ غالب تھا، انھیں ہر دم اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا احساس رہتا تھا۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک نے کہا، ''عمر سے بڑھ کر اپنے رب سے ترساں شخص میں نے نہیں دیکھا، عشا کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں لیٹے رہتے، دعائیں مانگتے اور آہ وزاری کرتے حتیٰ کہ نیند کا غلبہ ہو جاتا، بیدار ہوتے تو پکارتے اور گریہ کرتے حتیٰ کہ پھر سو جاتے، اسی طرح صبح ہو جاتی۔'' ایک بار مسور کھانے سے ان کے پیٹ میں درد ہوا تو کہا، ''میرا پیٹ گناہوں میں ملوث ہو گیا ہے۔'' خلیفہ بننے سے اپنی وفات تک انھوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور بیت المال سے ایک پائی بھی نہیں لی۔ ان کے پاس ایک ہی چادر تھی جسے جمعے کے دن دھوتے اور کچھ زعفران لگا لیتے۔ خلافت کے بعد ان کے کپڑوں عمامہ، قمیص، قبا، موزوں اور چادر سب کی کل مالیت ۱۲ درہم لگائی گئی۔ جب عوام کے کام کی خاطر رات جاگتے تو بیت المال کا چراغ جلاتے اور جب رات کو اپنا ذاتی کام کرتے تو ذاتی چراغ جلاتے۔ ایک رات کام کرتے ان کا چراغ ٹمٹانے لگا تو اسے درست کرنے اٹھے۔ کہا گیا، ''اے

امیر المومنین! ہم یہ کام کرنے کے لیے کافی ہیں۔'' ان کا جواب تھا، ''جب میں یہ کام کرنے اٹھا تھا تو بھی عمر تھا اور اب بیٹھا ہوں تو بھی عمر ہوں۔'' ان کا غلام کہنے لگا، ''میرے اور آپ کے علاوہ تمام لوگ خیریت سے ہیں۔'' تو اسے آزاد کر دیا۔ عمر کی اہلیہ کے پاس ایک قیمتی پتھر تھا۔ عمر نے پوچھا، ''یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ انھوں نے کہا، ''یہ مجھے امیر المومنین عبد الملک بن مروان نے دیا ہے۔'' آپ نے کہا، ''اسے بیت المال واپس کر دو یا مجھے اپنے آپ سے الگ ہونے کی اجازت دے دو کیونکہ میں، تم اور یہ پتھر ایک گھر میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔'' اہلیہ فاطمہ بنت عبد الملک نے جواب دیا، ''میں آپ کو ان جیسے کئی جواہرات پر ترجیح دیتی ہوں اگر میرے پاس ہوں۔'' جب عمر کی وفات کے بعد یزید بن عبد الملک خلیفہ بنا تو اس نے یہ پتھر اپنی بہن کو واپس دینے کی پیش کش کی، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ دمشق کی مسجد میں کھڑے ہو کر انھوں نے بلند آواز سے کہا، ''اللہ کی معصیت کرنے میں ہماری بات نہ مانی جائے۔'' ایک بار وعظ میں فرمایا، ''اللہ کا تقویٰ ہر چیز کا بدل بن جاتا ہے، لیکن اس کا کوئی بدل نہیں۔'' خلافت ملنے کے بعد ان کا زہد نکھر گیا تھا، ہر دم لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتے۔ میمون بن مہران نے عمر سے کہا، ''رات کا پہلا حصہ آپ لوگوں کی ضروریات میں لگے رہتے ہیں، درمیاں رات میں اپنے ہم نشینوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور آخری رات میں اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کام میں مشغول رہتے ہیں۔'' ان کی مراد تہجد کی مصروفیت تھی۔ آپ کہا کرتے تھے، ''اللہ کا تقویٰ محض دن کے روزے اور رات کی تہجد نہیں، بلکہ اللہ کا تقویٰ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑنا اور فرض ٹھہرائی چیزوں کو ادا کرنا ہے۔ ان کے بعد جسے خیر کی توفیق ملی، یہ خیر کا خیر سے مل جانا ہے۔'' علی بن بذیمہ کہتے ہیں، ''میں نے عمر بن عبد العزیز کو مدینے میں دیکھا، وہ بہترین لباس پہنے اور عمدہ خوش بو لگائے ہوئے تھے، سب سے زیادہ کڑی چال رکھتے تھے پھر میں نے (ان کے دور خلافت میں) انھیں دیکھا کہ راہبوں کی طرح عاجزانہ چال چل رہے تھے۔ ایک آدمی نے سعید بن مسیّب سے پوچھا، ''ابو محمد! مہدی کون ہے؟'' انھوں نے کہا، ''کیا تو مروان کے گھر گیا ہے؟'' اس نے کہا، ''نہیں۔'' سعید نے کہا، ''تب تو مروان کے گھر جا، مہدی دیکھ لے گا۔'' تبھی عمر بن عبد العزیز نے عام لوگوں کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آدمی بھی گیا، اس نے دیکھا، خلیفہ بیٹھا ہے اور لوگ اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہ واپس سعید بن مسیّب کے پاس آیا اور کہا، ''اے ابو محمد! میں مروان کے گھر گیا ہوں۔ میں نے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا، ''یہ مہدی ہے۔'' انھوں نے پوچھا، ''کیا تو نے پیشانی کے گھاؤ والے عمر بن عبد العزیز کو تخت پر بیٹھے دیکھا ہے؟'' اس نے کہا، ''ہاں۔'' سعید نے کہا، ''وہی تو مہدی ہیں۔'' محمد بن علی کہتے ہیں، ''نبی ہم (بنو ہاشم) میں سے تھے اور مہدی (عمر بن عبد العزیز) بنو عبد شمس میں سے ہے۔''

عمر سے استفادہ کرنے والے

عمر بن عبدالعزیز سے حدیث روایت کرنے والوں میں یہ اصحاب شامل ہیں: ابراہیم بن ابوعبلہ، ابراہیم بن یزید، اسماعیل بن ابوحکیم، ایوب سختیانی، تمام بن نجیح، توبہ عنبری، ثروان (ان کے آزاد کردہ غلام)، حکم بن عمر رعینی، حمید طویل، رجا بن حیوہ، رزیق بن حیان، روح بن جناح، زبان بن عبدالعزیز (ان کے بھائی)، زیاد بن حبیب، سلیمان بن داؤد، ابوواقد لیثی، صخر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز (ان کے دو بیٹے)، عبداللہ بن علا، عبداللہ بن محمد، عبدالملک بن طفیل، عثمان بن داؤد خولانی، عمر بن عبدالملک، عمرو بن عامر بجلی، عمرو بن مہاجر، عمیر بن ہانی، عنبسہ بن سعید، عیسیٰ بن ابوعطا، غیلان بن انس، لیث بن ابورقیہ، مالک بن زیاد، محمد بن زبیر، محمد بن ابوسوید ثقفی، محمد بن قیس، محمد بن مسلم زہری، محمد بن منکدر، مروان بن جناح، مسلمہ بن عبداللہ، مسلمہ بن عبدالملک بن مروان (عمر کے چچا زاد)، نضر بن عربی، نعیم بن عبداللہ، نوفل بن فرات، ہلال ابوطعمہ، ولید بن ہشام معیطی، یحییٰ بن سعید، یزید بن عبدالرحمان، یعقوب بن عتبہ، ابوبکر بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمان (جو ان کے استاد بھی ہیں) اور ابوصلت۔

ابن سعد نے عمر بن عبدالعزیز کو تابعین مدینہ کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خصائل ذاتی

عمر بن عبدالعزیز کا رنگ گندمی تھا، چہرہ دبلا اور خوب صورت تھا، جسم کم زور تھا اور آنکھیں گہری تھیں، وقت سے پہلے بوڑھا ہونے کی وجہ سے بال کھچڑی ہو چکے تھے۔ مونچھیں بہت چھوٹی نہ کرتے۔ خوش بو لگا لیتے تھے۔ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے۔ داؤد بن ابوہند کہتے ہیں، ''عمر بن عبدالعزیز مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ایک آدمی نے کہا، فاسق حکمران مروان بن حکم نے اپنا یہ بیٹا ہمارے پاس بھیج دیا ہے، سنتوں اور وراثت کا علم سیکھ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ مرنے سے پہلے خلیفہ ضرور بنے گا اور عمر بن خطاب کی سیرت پر ڈھل جائے گا۔ بخدا ان کی وفات سے پہلے ہم نے یہ سب باتیں پوری ہوتی دیکھ لیں۔'' انھیں علما کا معلم کہا جاتا ہے۔ محمد بن علی کہتے ہیں، ''ہر قوم کا ایک عزت مند سردار ہوتا ہے، بنوامیہ کے سردار عمر بن عبدالعزیز ہیں۔'' ان کے خاص معتمدین میں میمون بن مہران، رجا بن حیوہ اور ریاح بن عبیدہ کندی تھے۔ ان کے بعد عمرو بن قیس، عون بن عبداللہ بن عتبہ اور محمد بن زبیر حنظلی کے نام آتے ہیں۔ ہر وقت مصحف کا مطالعہ جاری رکھتے۔

جب نماز قصر نہ کرتے تو جمعہ ضرور پڑھاتے۔ ابومحلی کی تلوار پر لگی چاندی اترواکر لوہا لگوایا۔ مسلمان ہونے والے ذمی سے جزیہ لینے کی سخت مخالفت کرتے۔ جو مسلمان دشمنوں کے علاقے میں چوری کر کے آتا، اسے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتے۔ انھوں نے حربی زمین میں کیے جانے والے جرائم میں شراب پینے اور قذف کی حدیں بھی جاری کیں۔ اخلاقی مجرموں کو بیڑیاں پہنانے کو کہتے۔ رفع یدین کرتے، سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھتے، خطبۂ جمعہ بلند آواز سے پڑھتے۔ خود عالم اور مجتہد تھے، اکثر لوگوں کو مسائل سمجھاتے۔ عمر بن عبدالعزیز ایام حج میں مکہ کے گھروں کو کرایے پر اٹھانے سے منع کرتے تھے۔ آپ نے ایک ذمی کے حق میں شفعے کا فیصلہ کیا۔

پانچویں خلیفۂ راشد نے قاضی کے منصب کا اہل ہونے کے لیے پانچ شرطیں تجویز کیں: ۱۔ وہ ذہین اور سمجھ دار ہو۔ ۲۔ بردبار ہو۔ ۳۔ پاک دامن ہو۔ ۴۔ دباؤ برداشت کر سکتا ہو۔ ۵۔ عالم ہو سوالات کا سامنا کر سکتا ہو۔

دوسری روایت میں ۱۔ اور ۴۔ کی جگہ یہ دو شرطیں ہیں؛ اہل رائے سے مشورہ کرتا ہو، لوگوں کی ملامت سے بے نیاز ہو۔ عمر بن عبدالعزیز حدود اللہ کے علاوہ ۳۰ دروں سے زیادہ سزا دینے سے منع کرتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وفات

عمر بن عبدالعزیز نے ۲۹ مہینے (دو سال پانچ ماہ پندرہ دن) حکومت کی، حضرت ابوبکر صدیق کا دور خلافت بھی اتنے عرصے کو محیط ہے۔ ۲۰ دن بیمار رہ کر ۲۰ ؍ رجب ۱۰۱ھ (فروری ۷۲۰) میں ۳۹ سال ۵ ماہ کی عمر میں فوت ہوئے اور حلب کے قریب دیر سمعان میں دفن ہوئے۔ ان کی بیوی سے پوچھا گیا، ''آپ کے خیال میں عمر بن عبدالعزیز کا مرض الموت کیسے شروع ہوا؟ انھوں نے کہا، ''میرے خیال میں خوف (آخرت) اس کی ابتدا تھی۔ ان کے طبیب سے ان کے پیشاب کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا، ''ان کے پیشاب کو کچھ نہیں ہوا، یہ تو محض لوگوں کے معاملات کا فکر ہے۔'' ایک مصنف نے لکھا ہے، انھیں خشیت الٰہی نے مار ڈالا۔ اپنی قبر کی جگہ وفات سے دس دن پہلے انھوں نے خود ۱۰ دینار میں خریدی۔ انھوں نے اپنے جانشین یزید بن عبدالملک کو خط لکھا، ''السلام علیکم! میں اپنی وجہ ہی سے اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں۔ خلافت لامحالہ تمھیں ہی ملے گی۔ امت محمدی کے بارے میں اللہ سے ڈرنا۔ مبادا دنیا میں وہ لوگ چھوڑ جاؤ جو تمھیں اچھا نہ سمجھیں اور تمھاری مجبوریاں نہ سمجھیں۔'' عمر بن عبدالعزیز کی وصیت تھی: ''انھیں پانچ سوتی کپڑوں کا کفن پہنایا جائے۔'' اپنے اہل خانہ کو بھی وہ یہی کفن پہنایا کرتے تھے۔ انھوں

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور ان کو بھی کفن میں رکھنے کی وصیت کی۔ کفن کو خوش بو لگانے سے منع کیا۔ مرنے سے پہلے یہ آیت تلاوت کی: 'تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقين' (قصص ۲۸:۸۳) ''یہ آخرت والا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں سرکشی کرنا چاہتے ہیں نہ فساد اور اچھا انجام متقیوں ہی کا ہوگا۔'' یہ دعا بھی مانگی، ''اے اللہ! ان گھر والوں سے میری موت مخفی رکھنا، چاہے دن کی کوئی گھڑی ہی ہو۔'' رجا بن حیوہ کو غسل دینے، کفن پہنانے اور قبر میں اترنے کی تلقین کی۔ قبر کو گہرا کرنے سے منع کیا۔ وفات کے وقت عمر بن عبدالعزیز نے کہا، ''اگر مجھے خلیفہ بنانے کا ذرا بھی اختیار ہوتا تو قاسم بن محمد بن ابوبکر کے علاوہ کسی کو نہ بناتا۔ اس ضمن میں انھوں نے اسماعیل بن عمرو بن سعید بن عاص کا نام بھی لیا۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد فقہا تعزیت کرنے کے لیے ان کی بیوہ کے پاس آئے اور ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا، ''عمر کثرت سے نفلی نمازیں پڑھتے نہ روزے رکھتے، لیکن بخدا میں نے ان سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے انھیں رب کا کوئی حکم یاد آ جاتا تو اس طرح پھڑ پھڑاتے جیسے پانی میں گرنے والا پرندہ پھڑ پھڑاتا ہے۔ پھر ان کی گھگی بندھ جاتی اور بلند آواز سے رونا شروع کر دیتے۔ کاش ہمارے اور اس خلافت کے بیچ بعد المشرقین ہوتا۔ بخدا جب سے ہم اس میں مبتلا ہوئے، خوشی نہ دیکھی۔

ہیثم بن عدی نے سن وفات ۱۰۲ھ بتایا۔ ان کے چچا زاد یزید بن عبدالملک ان کے جانشین ہوئے۔ بنو عباس کے اقتدار میں آنے کے بعد اموی خلفا کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تو ان کی قبر کو ہاتھ بھی نہ لگایا گیا۔ عباسی دور کے مورخین دوسرے اموی حکمرانوں کے برعکس ان کی مذمت نہیں کرتے۔

کچھ اہل تاریخ کا خیال ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ایک خیالی نصب العین پر چلتے رہے۔ جو تخریبی قوتیں بنو امیہ کے زوال کا باعث بنیں ان کی دینی حمیت اور انصاف پسندی کی وجہ سے وقتی طور پر رک گئیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ پھر سے سرگرم ہو گئیں۔

مصادر مضمون: طبقات ابن سعد، تہذیب الکمال (مزی)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب)۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد رفیع مفتی

تعلق بالقرآن

عن ابی موسیٰ اشعری، قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، مثل المومن الذی یقراء القرآن مثل الا ترجۃ ریحھا طیب وطعمھا طیب. ومثل المؤمن الذی لا یقراء القرآن مثل التمرۃ لا ریح لھا وطعمھا حلو. ومثل المنافق الذی لا یقراء کمثل الحنظلۃ لیس لھا ریح وطعمھا مر. ومثل المنافق الذی یقراء القرآن مثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر. (مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن)

''ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، ترنج[1] کی سی ہے، جس کی خوش بو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی۔ اور قرآن نہ پڑھنے والے مومن کی مثال کھجور کی سی ہے، جس کی خوش بو تو نہیں ہوتی، مگر ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔ اور قرآن نہ پڑھنے والے منافق کی مثال اندرائن[2] کی سی ہے، جو ذائقہ میں کڑوا ہوتا ہے، اور اس میں خوش بو بھی نہیں ہوتی۔ اور قرآن مجید پڑھنے والے منافق کی مثال گل ریحان کی سی ہے، جس کی خوش بو تو اچھی ہوتی ہے، مگر ذائقہ بہت کڑوا ہوتا ہے۔''

یہ ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل سے یہ سمجھایا ہے کہ قرآن مجید سے تعلق کی کیا کیا نوعیتیں ہیں۔ اور سب سے اچھا تعلق کیا ہے۔ چنانچہ پہلی دو مثالیں مومن خالص کے حوالے سے ہیں،

1۔ ترنج، چکوترے کی طرح سٹریس (CITRUS) قسم کا ایک صحرائی پھل۔

2۔ اندرائن، حنظل، خربوزے کی طرح کا ایک پھل، جو دیکھنے میں خوبصورت اور ذائقہ میں کڑوا ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اور دوسری دو مثالیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں، جو اپنے ایمان میں سچے نہیں ہیں۔

پہلی مثال میں دیکھیے کہ آپ نے اس بندۂ مومن کی مثال دی ہے، جو نہ صرف اپنے ایمان میں سچا ہے، بلکہ قرآن سے بھی شغف رکھتا ہے، وہ اسے پڑھتا ہے اور پڑھاتا بھی ہے۔ اس کی مثال ترنج کی سی ہے، یعنی وہ ترنج کی طرح اپنی ذات میں بھی خوب ہے، اور جو کچھ اس سے، قرآن کی صورت میں، لوگوں کو حاصل ہو رہا ہے، وہ بھی ترنج کی خوش بو کی طرح نہایت اچھا ہے۔ یعنی، قرآن کی صورت میں جو پیغام ربانی اس کے پاس ہے، وہ خوش بو بن کر عالم میں پھیل رہا ہے۔ سچا مومن ہونے کی وجہ سے اس کا وجود دوسروں کے لیے سراپا خیر ہے۔ یعنی، وہ خود بھی میٹھا ہے اور اس کی خوش بو بھی بہت عمدہ ہے۔

دوسری مثال اس بندۂ مومن کی ہے، جو قرآن سے اس طرح کا گہرا تعلق نہیں رکھتا۔ اس کی مثال کھجور کے پھل کی سی ہے، جس کا ذائقہ تو اچھا ہے، لیکن اس میں خوش بو نہیں ہوتی۔ یعنی، یہ شخص مومن ہونے کی وجہ سے تو لوگوں کے لیے سراپا خیر ہے، لیکن قرآن کے ساتھ مطلوب تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پاس جو دعوت ہے، وہ دوسروں تک پہنچنے نہیں پاتی۔ گویا وہ خود تو میٹھا ہے، لیکن دعوت خیر اس کی ذات سے خوش بو کی طرح نہیں پھیلتی۔

تیسری مثال اس منافق کی ہے، جو قرآن کو پڑھتا پڑھاتا بھی نہیں ہے، اور سچا مومن بھی نہیں ہے، یعنی وہ اپنی ذات میں بھی اچھا نہیں ہے اور لوگوں کو دینے کے لیے بھی اس کے پاس قرآن جیسی اچھی دعوت نہیں ہے۔ گویا وہ اندرائن کی طرح کڑوا ہے، یعنی لوگوں کے ساتھ اس کا تعلق، خیر کا نہیں ہوگا۔ وہ نفاق اور بے یقینی پھیلانے کا باعث بنے گا۔ اس کی خوش بو نہیں ہے، یعنی اس سے کوئی خیر لوگوں کو میسر نہیں آئے گا۔ اس تشبیہ میں ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اندرائن دیکھنے میں بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ اسے پہلی مرتبہ دیکھنے والا لذیذ اور اعلیٰ قسم کا پھل سمجھتا ہے، جب کہ وہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔ یہی حال منافق کا بھی ہوتا ہے کہ وہ بظاہر تو مومن ہوتا ہے، مگر اندر سے وہ منافقت کی تلخی سے بھرا ہوتا ہے۔

چوتھی مثال اس منافق کی ہے، جو اپنے نفاق کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھتا پڑھاتا ہے۔ فرمایا کہ اس کی مثال ریحان کی طرح ہے، جو ذائقہ میں کڑوا، البتہ خوش بو میں نہایت خوش گوار ہوتا ہے۔ منافق، اپنی ذات میں برا ہے، یعنی ریحان کی طرح کڑوا ہے، لیکن قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے سے لوگ حق کی خوش بو اس سے پاتے رہتے ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ مختلف رویوں کی نشان دہی مثالوں کے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ذریعے سے فرمائی ہے جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کون سا رویہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ اچھا ہے۔ اس روایت میں ایک خاص بات اس بے مثال پیغمبرانہ تکلم کی ایک جھلک ہے جس میں داعیانہ رنگ بھی ہے اور معلمانہ شان بھی۔

چنانچہ سب سے بہتر وہ آدمی ہے جو بندۂ مومن ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پڑھتا پڑھاتا بھی ہو۔ اسی بات کو آپ نے ایک اور موقع پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

خیرکم من تعلم القرآن وعلمه.

(بخاری، کتاب فضائل القران)

''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد رفیع مفتی

قرآن اور انفاق

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا حسد الا اثنین، رجل آتاہ اللّٰہ القرآن، وھو یقوم بہ اناء اللیل واناء النھار، ورجل آتاہ اللّٰہ المال، وھو ینفق منہ اناء اللیل واناء النھار. (مشکوٰۃ، کتاب فضائل القرآن)

''ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حسد صرف دو ہی آدمیوں سے روا ہے: ایک وہ جسے قرآن ملا ہوا اور وہ صبح وشام اس (کی تلاوت وتدبر) کا التزام رکھتا ہو، دوسرا وہ جسے اللہ نے صاحب ثروت کیا ہو، اور وہ اپنے مال کو صبح وشام راہ خدا میں لٹاتا رہتا ہو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ سیدنا عبداللہ بن عمر کی روایت ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسد صرف دو ہی آدمیوں سے اگر کیا جائے تو روا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حسد بڑی ہی قبیح چیز ہے، اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ آدمی دوسروں کے لیے مشکل کا باعث بنتا، بلکہ خود اپنی صلاحیتوں اور خوشیوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اس کے اخلاق بالکل برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اگر آدمی اس سے بلند ہو جائے تو اس میں شبہ نہیں کہ اس کے اخلاق بھی بلند ہوتے اور اس کے مراتب بھی اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ گناہوں میں اللہ تعالیٰ مہلت تو دیتے ہیں، مگر کچھ آزمانے اور کچھ جھنجھوڑنے کے بعد، اس کی مہلت ہدایت چھین لیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے ساتھ بحیثیت قوم یہی معاملہ کیا گیا۔ انھوں نے امیوں میں اٹھنے والے نئے نبی کی نبوت کا

صرف اسی حسد کی وجہ سے انکار کر دیا کہ یہ نبی ان کے خاندان سے کیوں نہیں آیا۔ یہی وہ بیماری ہے جس کو قرآن 'فِیُ قُلُوُبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً' (البقرہ ۲: ۱۰) کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے، چنانچہ اس حسد کی وجہ سے یہود نے اپنے کان اور آنکھیں اس ہدایت سے بند کر لیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ اور، بالآخر توفیق ہدایت سے محروم کر دیے گئے۔ شیطان بھی اسی حسد کا شکار ہوا، جس کی بنا پر راندۂ درگاہ خداوندی ٹھیرا۔

غرض حسد انسانی شخصیت کے لیے نہایت تباہ کن اثرات رکھتا ہے، اس سے اپنے آپ کو لازماً بلند رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تصوف، ان کے نظریات سے ہزار اختلاف، مگر اس معاملے میں وہ ہمیشہ بہت محتاط رہے ہیں۔ مثلاً، امام غزالی کا قول ہے کہ اگر علما میں سے حسد اور ریا کو نکال دیا جائے تو ان کی ولایت میں کوئی شبہ نہیں ہے، کیونکہ وہ نماز روزے کے پابند تو ہوتے ہی ہیں، اگر ان چیزوں سے بھی اپنے آپ کو مبرا کر لیں تو بلا شبہ یہ درجۂ ولایت ہی ہے۔

علما کے اندر ان امراض کے پیدا ہونے کے مواقع بہت ہوتے ہیں، چنانچہ ہم عصر علما ایک دوسرے کی برتری کے اعتراف کے بجائے، اسی مرض کی وجہ سے باہم چشمک زنی کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں، یا دوسروں پر اپنی مشیخت ثابت کرنے کے لیے ریا کاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ امراض عامۃ الناس میں بھی ہوتے ہیں اور خواص میں بھی، اس لیے ان سے ہر حالت میں بچنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑیوں کو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان نقائص سے اپنے آپ کو بلند کرنے سے سیرت و کردار کی تعمیر بھی ہوتی ہے، کیونکہ جب ایک برائی رخصت ہوتی ہے، تو اس سے خالی نہیں ہوتی کہ ایک بھلائی اس کی جگہ لے لیتی ہے، قرآن کا فرمان ہے: 'إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ' (ہود ۱۱: ۱۱۴) کہ جب بھلائی آتی ہے تو وہ نہ صرف بندۂ مومن کے اعمال نامہ میں کسی ایک برائی کو دھو دیتی ہے، بلکہ اس کے نفس سے کسی نہ کسی برائی کا خاتمہ کرنے کا باعث بھی بنتی ہے۔ چنانچہ باقی برائیوں کی طرح حسد سے اجتناب اور اس سے مبرا ہونے کی سعی بھی نیک خصائص کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔

بہر حال، یہ حسد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے قرآن سے شغف بخشا ہو، وہ صبح شام اس میں غور و تدبر کرتا ہو، زندگی کے ہر موڑ پر اس سے رہنمائی لیتا اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش میں رہتا ہو۔ عامی بھی ہو تو اس کی تعلیمات سے آگاہی میں کوشاں رہتا ہو۔ صبح شام اس کی تلاوت کرتا اور علما سے اس کو سیکھنے میں لگا رہتا ہو۔ آپ نے اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ 'هو يقوم به

اناء اللیل و اناء النھار‘۔

اور دوسرا وہ شخص ہے، جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہو۔ اور وہ اس مال کو سینت سینت کر رکھنے کے بجائے، اس کو راہ خدا میں بے دریغ خرچ کرتا ہو۔ اہل ثروت کی آزمایش یہی ہے کہ ان کا مال کے معاملے میں کیا رویہ ہے، کیا وہ اس کی پائی پائی سینت کر رکھتے ہیں یا قرآن کی اس آیت کے مصداق کہ 'وَالَّذِیۡنَ إِذَآ أَنفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذَلِکَ قَوَامًا'[1] ہمیشہ اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں، اپنے اوپر اسراف اور بخل سے بچ کر ہی خرچ کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ بچ رہتا ہے، اسے مستحق اور ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو شخص ہیں جو اس مرتبہ میں اتنے بلند ہیں کہ ان کے بارے میں حسد جیسی برائی پر بھی نیکی کا گمان ہونے لگتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ اس انداز بیان سے، جواز حسد مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ تعلق بالقرآن اور انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی توفیق کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ زبان کا ایک اسلوب ہے، جسے منفی چیز کے تعلق سے ایک چیز کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کہا جائے کہ ''علم کی تو چوری بھی جائز ہے۔'' اس میں علم کے حصول کی ترغیب مقصود ہے نہ کہ چوری کا جواز پیش نظر ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

---

[1] ''وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے اور اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔'' (الفرقان ۲۵: ۶۷)

طالب محسن

دین میں ظاہرداری/ جھوٹ کا اثر

دین داری عام طور پر ظاہری رکھ رکھاؤ یا رسوم ورواج کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ اعمال وکلمات کے پیچھے کارفرما اصل روح نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات کے لیے ظاہری آداب یا کچھ رسوم کی پاس داری کے لیے بہت کچھ زور جذبے سے کام لیا جاتا ہے، لیکن ان کے ساتھ وابستہ وہ ذہنی اور قلبی کیفیت بالکل مفقود ہوتی ہے، جس کے بغیر کوئی نیکی بارگاہ ایزدی میں شرف باریابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔

نماز میں ٹوپی سے سر ڈھانپنا، پائنچوں کا ٹخنوں سے اونچا ہونا اور قیام وسجود میں نمازی کی ہیئت جیسے ظواہر، بالعموم، زیر بحث آجاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی یاد، اعتدال وتوازن، اور جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے فہم وادراک جیسی اصل اہمیت کی چیزیں کم ہی التفات کے قابل ٹھیرتی ہیں۔

اسی طرح روزے میں سحر وافطار کے وقت کی تعیین اور کھانے پینے کی چیزوں کی خرید وفروخت پر پابندی جیسے مسائل ہماری توجہات کے زیادہ حق دار قرار پاتے ہیں، لیکن للٰہیت، ترک لذت کے جذبے اور تقویٰ کی آب یاری کے لیے کاوشوں کو کم ہی اہمیت دی جاتی ہے۔

صدقہ وخیرات کا عمل تو، بالعموم، ظاہری رسوم تک محدود ہو جاتا ہے۔ یہ من گھڑت چہلم اور قل، گیارہویں اور میلاد کی مجلسیں، عید میلاد کے موقع پر جلوس اور بازاروں کی تزیین اور آرایش اور اسی طرح رمضان میں شان وشوکت کے اظہار پر مبنی افطاریاں، ہم مسلمانوں کے جذبۂ ایثار کی تکمیل کر دیتی ہیں۔ لیکن خیرات کا وہ عمل بالکل معدوم ہوتا جا رہا ہے جس میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر رہتا ہے۔ بھوکا سونے والے ہم سائے کی خبر گیری کے لیے

بے چینی، بے آسرا یتیموں اور بے سہارا بیواؤں کی مدد کے لیے سرگرمی اور دین کے فروغ کے لیے بڑھ چڑھ کر مالی تعاون کے جذبات ہمارے اہل خیر میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اذان سے پہلے درود وسلام، نماز کے بعد بعض کلمات کا ورد اور اسی طرح کے بعض دوسرے مسائل بہت کچھ بحث و جدال کا سامان بنتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی عقیدت کہ آدمی اس دین سے سرمو انحراف یا اس پر ذرہ برابر اضافے کے لیے تیار نہ ہو جو نبی اکرم نے ہمیں سکھایا ہے، ناپید ہوتی جارہی ہے۔ آپ سے عقیدت ومحبت قلب وذہن کی زندگی ہے، لیکن اس کے خود ساختہ معیارات کی تبلیغ کچھ ایسے شدومد سے کی جاتی ہے کہ غالباً حقیقی دین یہی ہے۔ لیکن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ:

''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے جسموں کو نہیں دیکھتے، ان کی نظر تو تمھارے دلوں پر ہے۔'' (مسلم)

اگر ہمارے دل دین کی روح اور حقیقت سے خالی ہیں تو پھر ہمارے یہ ظاہری اہتمام کیسے شرف قبولیت سے بہرہ ور ہوں گے!

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

براعمل دل پر برے اثرات مرتب کرتا ہے۔ دل کی طہارت اور صفائی کے لیے برائی کے سرزد ہونے کے فوراً بعد تائب ہونا ضروری ہے، خواہ یہ برائی بظاہر بہت معمولی کیوں نہ ہو۔ اس طرح بعض برائیاں دوسری برائیوں کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ چنانچہ ایسی برائیوں سے اجتناب بہت ضروری ہے، ورنہ آدمی برائیوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

جھوٹ ایک ایسی برائی ہے۔ گھر کے معمولی معاملات سے لے کر تجارت اور سیاست تک، ہر شعبے میں ہونے والے بڑے بڑے جرائم کی بنا، بالعموم، جھوٹ ہی سے پڑتی ہے۔

اس کے برعکس سچ نیکی اور خیر کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔ ایک راست گو آدمی اپنے معاملات، لین دین اور تعلقات میں بھی سچا اور دیانت دار ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح جھوٹ کی زنجیر میں برائیاں بندھی چلی آتی ہیں اور ان سے بچنا، بسا اوقات، ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سچ نیکیوں کے جلو میں چلتا ہے اور آدمی کو برائیوں کے اثرات بد سے بچنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

اس حقیقت کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوبی سے واضح کیا ہے:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچ فرماں برداری کی راہ دکھاتا ہے اور

فرماں برداری جنت کی راہ ہموار کرتی ہے۔ آدمی سچ کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ''صدیق'' لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ نافرمانی کی بنیاد بنتا ہے اور نافرمانی آگ کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے ''کذاب'' لکھ دیا جاتا ہے۔'' (متفق علیہ)

قرآن مجید نے خدا اور بندے کے تعلق کو ''بندگی'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے: 'وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'، ''اور ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف ''بندگی'' کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔'' ''بندگی'' عبادت اور فرماں برداری کی جامع ہے۔ یعنی، بندۂ مومن صرف پروردگار عالم کی پوجا اور پرستش ہی نہیں کرتا، اس کے احکامات کی بے چون و چرا تعمیل بھی کرتا ہے۔ اسی اطاعت گزاری کو اس حدیث میں فرماں برداری کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کو اسی فرماں برداری کی کلید قرار دیا ہے۔

انبیا جب دعوت لے کر کھڑے ہوتے ہیں، تو ان کی دعوت قبول کرنے اور اس کے علم کو اٹھانے والے لوگوں کو قرآن مجید نے ''صدیق'' قرار دیا ہے۔ یہ کسی مومن کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے کہ وہ خدا کے ہاں صدیق قرار پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو صدیق کے مرتبے پر فائز ہونے کی خوش خبری دی ہے جو سچ کے دامن کو اپنی زندگی کے کسی گوشے اور کسی لمحے میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

سچ جس قدر خیر و برکت کی چیز ہے، جھوٹ اسی نسبت سے باعث آلام اور اندوہناک ہے۔ اس کو اپنی زندگی بنا لینے والا شخص ''کذاب''، یعنی منکر دعوت و رسالت قرار پا سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز آگ کے عذاب ہی کا باعث بنے گی۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

طالب محسن

اختلاف اور علمی رویے

ہمارے ہاں، علمی مذاکرے کے لیے، فضا سازگار نہیں ہے۔ علمی تنقید و تجزیہ، اختلاف کے بجائے، بالعموم، مخالفت پر محمول کیا جاتا۔ بطور خاص، وہ لوگ، جو کسی خاص فکر کے داعی ہوتے ہیں، اور اسی حوالے سے، معاشرے میں ان کی ایک شناخت ہوتی ہے، ان کی طرف سے اکثر و بیش تر، صحیح رویہ سامنے نہیں آتا۔ وہ جو کچھ بھی کسی نقد و اعتراض کے سلسلے میں لکھتے یا کہتے ہیں، وہ محض ایک جوابی کارروائی ہوتی ہے۔ اسے کسی طرح بھی علمی تنقید نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ علمی تنقید کے کچھ مسلمہ اصول ہیں اور اس طرح کی تحریروں یا تقریروں میں یہ اصول کم ہی ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ ایک اہم اصول، جسے ہم علمی تنقید کا اصل الاصول قرار دے سکتے ہیں، وہ بھی اس سلسلے میں دیے گئے جوابات میں پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مخاطب کے نقطۂ نظر کی اصل و فرع کو متعین کرنے کے بعد، پہلے اصل اور بعد میں فروع کو زیر بحث لایا جائے، اس لیے کہ ہر علمی نقطۂ نظر کسی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، لہٰذا، اگر بنیادی غلطی کی نشان دہی نہیں کی جائے گی، تو فروع پر چلائے گئے تیشے کوئی حقیقی نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔ اور دوسری طرف اصل و بنیاد کو نظر انداز کر کے محض اجزا کو زیر بحث لانے سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ جواب دیتے وقت اصل حقیقت سے گریز کر کے محض الجھاؤ پیدا کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ قارئین، بسا اوقات، یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ تنقید کرنے والے کے پاس پیش آنے والے سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ درآں حالیکہ، دین کا ایک عالم جس کی قرآن و سنت پر نظر ہو، اور اس نے دوسرے اہل علم سے فیض صحبت بھی پایا ہو، وہ جو نقطۂ نظر بھی اختیار کرتا ہے، اس کے

بارے میں یہی سمجھنا چاہیے کہ اس کی بنیاد کسی خواہش پر نہیں، بلکہ قرآن وسنت پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اس کی رائے کو قبول یا رد کرنے میں عجلت یا جذباتیت سے گریز لازم ہے۔ اگرچہ صاحب علم جس درجے کا بھی ہو، ضروری نہیں کہ اپنی ہر تحقیقی کاوش میں صحیح نتیجہ ہی اخذ کرے۔ اور یہ ایک ایسی واقعی حقیقت ہے کہ علمی دنیا سے متعلق کوئی بھی شخص، اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

ایک اور اہم حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بسا اوقات، کسی رائے میں غلطی بہت دور بنیاد میں واقع ہوتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال میں تنقید، بالعموم، غیر حقیقی محسوس ہوتی ہے اور آدمی کو باور نہیں آتا کہ 'محکم بنیادوں' پر قائم کسی کا فکری نظام ایسا غلط بھی ہو سکتا ہے۔

دعوت کا کام کرنے والوں کو جاننا چاہیے کہ اپنے عقیدے یا عمل میں غلطی مان لینا، اس دار الامتحان کی ایک بڑی آزمایش ہے۔ لیکن، اس میں بھی شبہ نہیں کہ ہر بڑی آزمایش کی طرح اس میں بھی پورا اترنے والے کے لیے بڑا اجر ہے۔ چنانچہ تنقید کے جواب میں ایک ہی رویہ ایسا ہے جو روز آخر میزان کو بھاری کرے گا اور وہ یہ ہے کہ اپنی رائے میں غلطی کا امکان مان کر تنقید کو دیکھا جائے اور دل میں بھی یہی خیال رہے کہ ہو سکتا ہے تنقید کسی حق کو دریافت کر لینے میں مددگار ثابت ہو۔ ہر صاحب حق کے لیے یہی ایک راستہ ہے جو اسے بہر حال، اختیار کرنا چاہیے۔ دوسری طرف تنقید کرنے والے کا اصل محرک بھی دین کے لیے خیر خواہی اور فرد سے ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے اور اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کی تنقید بھی غلط ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کے پیش نظر ہمیشہ احقاق حق ہو اور اس کی غرض دوسرے کو، ہر حال میں غلط ثابت کرنا نہ ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ ایک عالم گیر سچائی ہے کہ آخری کامیابی حق ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر حق سے گریز کی جائے گی، تو آدمی کامیابی سے یقیناً محروم ہی رہے گا، خواہ یہ حق کسی ایسے آدمی کے پاس ہو جو، ہمارے نزدیک، پسندیدہ نہیں ہے، اور خواہ ہماری آرا برسوں کی سوچ بچار کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اشاریہ

نعیم احمد

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۰۵ء

قرآنیات

جنوری	آل عمران (۳:۵۲۔۵۳)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۱۱
فروری	〃 (۳:۵۴۔۵۷)	〃	〃	۹
مارچ	〃 (۳:۵۸۔۶۳)	〃	〃	۵
اپریل	〃 (۳:۶۴۔۷۱)	〃	〃	۷
مئی	〃 (۳:۷۲۔۷۶)	〃	〃	۷
جون	〃 (۳:۷۷۔۸۰)	〃	〃	۷
جولائی	〃 (۳:۸۱۔۹۹)	〃	〃	۷
اگست	〃 (۳:۱۰۰۔۱۰۹)	〃	〃	۱۱
ستمبر	〃 (۳:۱۱۰۔۱۱۷)	〃	〃	۵
اکتوبر	〃 (۳:۱۱۸۔۱۲۹)	〃	〃	۷
نومبر	〃 (۳:۱۳۰۔۱۳۶)	〃	〃	۱۵
دسمبر	〃 (۳:۱۳۷۔۱۴۳)	〃	〃	۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معارف نبوی

جنوری	مشرکین بنی اسماعیل کے لیے ارتداد کی سزا	معز امجد	صفحہ	۱۳
〃	نماز اور حلال و حرام کا اجر	طالب محسن	〃	۱۶
〃	نماز کے اوقات —— حدیث ۶	ساجد حمید	〃	۲۵
فروری	بو والی سبزیاں کھا کر مجالس میں آنا	معز امجد	〃	۱۳
〃	وفد عبدالقیس	طالب محسن	〃	۱۸
〃	نماز کے اوقات —— حدیث ۶	ساجد حمید	〃	۳۰
مارچ	مختلف قبائل اور قوموں کے خصائص	معز امجد	〃	۹
〃	دعوت کی حکمت	طالب محسن	〃	۱۱
اپریل	بو والی سبزیاں کھا کر مجالس میں آنے سے متعلق ایک رخصت	معز امجد	〃	۱۱
〃	نماز کے اوقات —— حدیث ۷	ساجد حمید	〃	۱۵
مئی	قریش کے ابتدائی اہل ایمان کے لیے نبی کریم کی دعا	معز امجد	〃	۱۱
〃	اہل کفر سے قتال	طالب محسن	〃	۱۴
〃	نماز کے اوقات —— حدیث ۹، ۱۰، ۱۱	ساجد حمید	〃	۲۴
جون	لہسن، پیاز جیسی سبزیوں کو کھانے سے پہلے ان کی بو ختم کرنا	معز امجد	〃	۱۱
〃	حرمت جان کی شرط	طالب محسن	〃	۱۶
〃	نماز کے اوقات —— ظہر میں تاخیر	ساجد حمید	〃	۱۹
جولائی	دنیا میں آنے سے قبل بعض انسانی ارواح کا آپس میں مانوس ہونا	معز امجد	〃	۱۵
〃	ابوطالب سے مکالمہ	طالب محسن	〃	۱۷
〃	جمعہ کے وقت کا باب	ساجد حمید	〃	۲۵
اگست	قریش کی حکمرانی کے بارے میں روایت	معز امجد	〃	۱۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

″	کلمۂ توحید اور جنت	طالب محسن	″	۲۰
″	جمعہ کا وقت	ساجد حمید	″	۲۴
ستمبر	عرب کی سب سے بہتر خواتین	معز امجد	″	۹
″	کھانے میں برکت	طالب محسن	″	۱۳
″	جس نے رکعت پالی	ساجد حمید	″	۲۰
اکتوبر	مکہ شہر کی ابدی حرمت	معز امجد	″	۱۳
″	جس نے ایک رکعت نماز پالی	ساجد حمید	″	۱۷
نومبر	قریش کی حکمرانی سے متعلق روایات	معز امجد	″	۱۹
″	حضرت مسیح کا مقام	طالب محسن	″	۲۸
″	دین آسان ہے	ساجد حمید	″	۳۲
دسمبر	ایک یہودیہ کے قتل کا واقعہ	معز امجد	″	۹
″	حضرت عبادہ بن صامت کا اضطراب	طالب محسن	″	۱۱
″	جامع الوقوت	ساجد حمید	″	۱۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین و دانش

جنوری	اخلاقیات (۱)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۳۱
″	اسلام اور مصوری ـــــ جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر (۱)	منظور الحسن	″	۳۵
فروری	اخلاقیات (۲)	جاوید احمد غامدی	″	۳۷
″	اسلام اور مصوری ـــــ جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر (۲)	منظور الحسن	″	۴۰
مارچ	اخلاقیات (۳)	جاوید احمد غامدی	″	۱۹
″	اسلام اور مصوری ـــــ جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر (۳)	منظور الحسن	″	۲۲
اپریل	اخلاقیات (۴)	جاوید احمد غامدی	″	۲۳
″	اسلام اور مصوری ـــــ جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر (۴)	منظور الحسن	″	۳۱
مئی	اخلاقیات (۵)	جاوید احمد غامدی	″	۲۹

جون	اخلاقیات (۶)	جاوید احمد غامدی	〃	۲۷
جولائی	اخلاقیات (۷)	〃	〃	۳۳
اگست	اخلاقیات (۸)	〃	〃	۲۷
ستمبر	اخلاقیات (۹)	〃	〃	۲۵
اکتوبر	اخلاقیات (۱۰)	〃	〃	۲۱
دسمبر	اخلاقیات (۱۱)	〃	〃	۲۳

شذرات

جنوری	قربانی	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۲
〃	قربانی: سوچنے کی کچھ باتیں	ریحان احمد یوسفی	〃	۸
فروری	ہماری تعلیم	جاوید احمد غامدی	〃	۲
مارچ	اہل دعوت کا مسئلہ	منظور الحسن	〃	۲
اپریل	اس روز دنیا دیکھے گی	ریحان احمد یوسفی	〃	۲
مئی	دیدۂ صورت پرست ماست	جاوید احمد غامدی	〃	۲
〃	محمد عربی کی نبوت	〃 〃	〃	۴
جون	قوم کی رہنمائی کا صحیح راستہ	ریحان احمد یوسفی	〃	۲
جولائی	عورت کی امامت ـــــ اہل ’’محدث‘‘ کی خدمت میں	منظور الحسن	〃	۲
اگست	۱۴ اگست کا خواب	〃 〃	〃	۲
〃	نو گیارہ سے سات سات تک	ریحان احمد یوسفی	〃	۷
ستمبر	اولاد کی تربیت	منظور الحسن	〃	۲
اکتوبر	روزے کا مقصد	جاوید احمد غامدی	〃	۲
نومبر	کشمیر کا زلزلہ ـــــ قیامت کی یاددہانی	منظور الحسن	〃	۲
〃	زلزلۂ قیامت	ریحان احمد یوسفی	〃	۷
〃	زلزلہ محض اتفاقی حادثہ یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے انتباہ	〃 〃	〃	۱۱

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دسمبر	نئے میدان جنگ کا انتخاب	منظور الحسن	〃	۲

حالات و وقائع

فروری	ہم ویلنٹائن ڈے پر کیا کرتے ہیں؟	ریحان احمد یوسفی	صفحہ	۶۳
〃	میکرو وژن (MACROVISION)	محمد بلال	〃	۶۶
جون	سلیمان بن یسار	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۶۱
〃	قاسم بن محمد	〃 〃	〃	۶۴
جولائی	فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے	ریحان احمد یوسفی	〃	۵۳
〃	ایف آئی آر	〃 〃	〃	۵۶
〃	کیا حقیقت پسندی جرم ہے؟	خورشید احمد ندیم	〃	۵۹
〃	ابوبکر بن عبد الرحمان مخزومی	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۶۳
اگست	دہشت گردی اور مسلمان	خورشید ندیم	〃	۵۹
〃	''قاسم بن محمد'' ـــــ ایک تنقید کا جائزہ	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۶۳
ستمبر	خارجہ بن زید	〃 〃	〃	۶۵
اکتوبر	عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ	〃 〃	〃	۵۳
دسمبر	عمر بن عبد العزیز	〃 〃	〃	۳۷

نقطۂ نظر

جنوری	صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟ (۳)	ساجد حمید	صفحہ	۵۵
فروری	صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟ (۴)	ساجد حمید	〃	۵۵
مارچ	صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟ (۵)	ساجد حمید	〃	۶۵
اپریل	صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟ (۶)	ساجد حمید	〃	۴۵
مئی	عورت کی امامت	پروفیسر خورشید عالم	〃	۳۵
〃	اردو املا ـــــ چند گزارشات	عبد الستار غوری	〃	۴۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

〃	صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟(۷)	ساجد حمید	〃	۵۲
جون	الحاد جدید کے مغربی اور مسلم دنیا پر اثرات	محمد مبشر نذیر	〃	۳۳
جولائی	اسلامی حدود اور بین الاقوامی قوانین	مولانا زاہد الراشدی	〃	۴۱
〃	''محدث'' کی بارگاہ میں	پروفیسر خورشید عالم	〃	۴۵
اگست	چہرے کا پردہ	پروفیسر خورشید عالم	〃	۳۱
ستمبر	اسلام کا تصور عبادت	الطاف احمد اعظمی	〃	۳۹
اکتوبر	''محدث'' کی کرم فرمائیاں	پروفیسر خورشید عالم	〃	۳۷
〃	اسلام کا تصور عبادت (۲)	الطاف احمد اعظمی	〃	۴۲
نومبر	ام الکتاب، کتاب مکنون، لوح محفوظ	پروفیسر خورشید عالم	〃	۴۱
دسمبر	سریانی و ارامی زبان کے بارے میں وضاحت	عبدالستار غوری	〃	۳۳

اصلاح و دعوت

اکتوبر	بدگمانی کیا ہے، اس سے کیسے بچیں؟	ساجد حمید	صفحہ	۵۹
نومبر	بدگمانی کیا ہے، اس سے کیسے بچیں؟(۲)	〃 〃	〃	۴۷
دسمبر	تعلق بالقرآن	محمد رفیع مفتی	〃	۵۱
〃	قرآن اور انفاق	〃 〃	〃	۵۴
〃	دین میں ظاہرداری/ جھوٹ کا اثر	طالب محسن	〃	۵۷
〃	اختلاف اور علمی رویے	〃 〃	〃	۶۰

تبصرۂ کتب

جولائی	''Isaac Or Ishmael''	ڈاکٹر محمد طاہر منصوری	صفحہ	۶۷

ادبیات

جون	سورۂ اقرا ـــــ منظوم ترجمانی	مرزا آصف رسول	صفحہ	۷۱

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اشاریہ

دسمبر	اشاریہ ''اشراق'' ۲۰۰۵ء	نعیم احمد	صفحہ ۶۳

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com